دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک کا علمی و دینی مجلہ

ماہنامہ

الحق

زیر سرپرستی

شیخ الحدیث حضرۃ مولانا عبدالحق بانی و مہتمم دارالعلوم حقانیہ

اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

مغربی پاکستان

شہر شہر اور گاؤں میں
سب کے پاؤں میں
سروس
شوز

سروس
ہوائی چپل
جدید ترین اور دلکش ڈیزائنوں
میں
ہلکی پھلکی - آرام دہ - ارزاں

Service

آٹومیٹک پلانٹ سے تیار کردہ نیا صابن

کتنا عمدہ صابن آیا۔ گھر گھر جس نے رنگ جمایا
ذوالفقار انڈسٹریز لمیٹڈ-کرا

عبادات و عبدیت
از مولانا عبدالحق مدظلۂ
خطبات اور تقاریر کا نیا
مجموعہ
قیمت دو روپے
ناشر مکتبۃ الحق

اے بی سی (آڈٹ بیورو آف سرکولیشن) کی مصدقہ اشاعت

نئے دعوۃ الحق
قرآن وسنت کی تعلیمات کا علمبردار

فون نمبر۔ دارالعلوم : ۴ فون نمبر۔ رہائش : ۲

ماہنامہ الحق اکوڑہ خٹک

جلد نمبر : ۹ جون : ۱۹۷۴ء
شمارہ نمبر : ۸ جمادی الاولیٰ : ۱۳۹۴ھ

مدیر
سمیع الحق

اللہ کے نام سے شروع

نقش آغاز شورش اور منکرین حدیث کی وکالت	سمیع الحق	۲
غلام احمد پرویز اور غلام احمد قادیانی کا موازنہ	سمیع الحق	۶
عالم اسلام کے علمی حادثے شیخ ابوزہرہ ۔ علال الفاسی وغیرہ	سمیع الحق	۱۰
مستشرقین کے استعماری افکار اور عزائم	ڈاکٹر محمد البہی مصری ترجمہ محبوب علی شاہ	۱۲
شراب نوشی جدید سائنس کی روشنی میں	جناب سلیم الحق صدیقی ۔ کراچی	۲۰
مولانا شمس الدین شہیدؒ (سوانح و حالات)	جناب محمد داؤد شاہ	۲۳
معجم مصادر اسلامی ۔ (ایک علمی منصوبہ)	ڈاکٹر سید عبداللہ صاحب	۲۹
جذبہ تحقیق اور اس کے نتائج	مولانا سید عبدالشکور ترمذی	۳۳
جدید زبانوں کے عربی ماخذ	جناب منظر عباسی ۔ ایم ۔ اے	۴۴
مادیت اور روحانیت کا موازنہ	حافظ سعد الرشید ارشد ۔ ایم اے	۴۹
مشاہیر کے غیر مطبوعہ خطوط	قاری محمد طیب قاسمی مدظلہ بنام مولانا عبدالحق مدظلہ	۵۷
تبصرۂ کتب	سمیع الحق	۶۲

بدل اشتراک : پاکستان میں سالانہ دس روپے	فی پرچہ ایک روپیہ	غیر ممالک بحری ڈاک ایک پونڈ ہوائی ڈاک دو پونڈ

سمیع الحق استاد دارالعلوم حقانیہ نے منظور عام پریس پشاور سے چھپوا کر دفتر الحق دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقشِ آغاز

منکرینِ حدیث کی بے جا وکالت

ملک کے مشہور ادیب، شاعر اور صحافی جناب شورش کاشمیری کو یکایک کیا سوجھی کہ ۱۳ر مئی کے چٹان میں انہوں نے اس ملک میں فتنۂ انکارِ حدیث کے سرغنہ جناب غلام احمد پرویز کی مدح سرائی اور وکالت کا بیڑا اٹھایا اور اس زور شور سے کہ پرویز کو افکار اسلام کی کربلا میں حسینی قافلہ کی آواز اور قرآنی فکر کی ایک فاضل شخصیت قرار دیتے ہوئے انہیں بارگاہ رسالت کی سرخروئی اور فضلائے امت کی صف میں جگہ پانے کی بشارتیں بھی دیں مزید کہا کہ جو کام ساری امت کے علماء کے بس کا نہ تھا۔ پرویز نے وہ کر دکھایا۔ اور اسلام کے دامن سے عجمی گرد جھاڑ دی۔ پرویز کی ایک کتاب کا صرف ایک باب پڑھ کر انہوں نے ان کے بارہ میں ایک خوشگوار تبدیلی محسوس کی اور پھر اس کے نتیجہ میں امت کے تمام مکاتبِ فکر کے ہزاروں علماء، مشائخ اصحاب علم و تقویٰ اور اربابِ تحقیق و فتویٰ کو مشورہ دیا کہ اب چونکہ اصل حقیقت مجھ پر منکشف ہوگئی اس لئے تمام علماء کو چاہئے کہ وہ "پرویز کے خلاف فتویٰ واپس لے لیں" اور طرفہ تماشہ یہ ہے کہ اسلام کے بارہ میں شورش صاحب پر یہ چودہ طبق کتاب کا صرف چودھواں باب پڑھ کر روشن ہوگئے۔ معلوم نہیں ساری کتاب پڑھنے کے بعد معاملہ کہاں تک جا پہنچتا۔

جہاں تک شورش صاحب کا تعلق ہے۔ ان سے بیشمار اختلافات اور آئے دن ان کے سیاسی اور غیر سیاسی مؤقف میں تبدیلیوں کے باوجود ہم بھی ان لوگوں میں سے ہیں۔ جو شورش کی جرأت و ہمت اور بالخصوص قادیانیوں کے بارہ میں ان کے مؤمنانہ جہاد اور جرأتمندانہ کردار کی وجہ سے اپنے دل میں ان کے لئے محبت اور تحسین کے جذبات پاتے ہیں۔ اور ملک کے لاکھوں اہل علم اور دینی حلقے اسی جذبۂ حمیت کی وجہ سے ان کے "سئیات" سے درگزر کر کے ان کے حسنات کو قابلِ قدر سمجھتے ہیں۔

حیرت تو یہ ہے کہ یہ رائے شورش صاحب نے ایک ایسے شخص کی ایک کتاب کے کچھ حصے پڑھ کر قائم کی جو صرف مشتبہ و مشکوک نہیں بلکہ اساطین امت تمام "علماء" کے ہاں

کافر اور مرتد ہے۔ ورنہ ایسے لوگوں کے تمام نظریات اور مخصوص آراء سے صرف نظر کر کے کسی ایک کتاب کی اچھائی سے رائے تبدیل نہیں کی جاتی۔ مرزا غلام احمد قادیانی کی با ایں ہمہ دجل و تلبیس قرآن و سنت میں تحریفات نبوت سے بغاوت کے باوجود اس کی دو ایک ایسی کتابوں کو پڑھ کر کل کوئی تمام امت کو اس کے بارہ میں اپنا موقف بدلنے کا مشورہ دے اور ان کے چند ایسے قصائد اور اشعار یا مضامین اور کتابچوں کو پڑھ کر اسے اسلام اور خاتم النبیین کا سچا وفادار قرار دے جس میں عشق رسولؐ اور محبت اسلام کا اظہار کیا گیا ہے۔ تو کیا شورش صاحب کسی کو ایسا کرنے کا حق دے سکیں گے۔

الغرض شورش صاحب کی خدمات اور جذبات کتنے ہی قابل قدر کیوں نہ ہوں منکرین حدیث کی اس زور شور سے یہ ترجمانی ایک ایسی بات نہیں کہ اہل علم کیا کوئی مسلمان بھی اس سے صرف نظر کر سکے اس لئے کہ یہ بالواسطہ دین کے قطعی اور طے شدہ مسلمات میں دست اندازی اور خود اپنے ہاتھوں اس ناموس نبوت کو تار تار کرنے کی ظالمانہ جسارت ہے۔ جسکی حفاظت اور جسکی خاطر شورش صاحب سر دھڑ کی بازی لگانے کا اعلان کرتے رہتے ہیں۔ اس تبدیلی اور "خوشگوار انقلاب" میں مسلمانوں کا نہیں خود آغا صاحب کا ضیاع دین و ایمان ہے۔ اسلئے ان سے خیر خواہی جذبہ نصیحت اور دینی مسئولیت کی بناء پر یہ التجا کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ وہ دین ——————— اور عقیدے کی دنیا میں خدا کی زبان میں اس بڑھیا جیسا نہ بنیں جو اپنے ہی ہاتھوں اپنے سارے کئے کرائے پر پانی پھیر دیتی ہے۔ کالّتی نقضت غزلھا من بعد قوۃ انکاثا۔

دین و عقیدہ کی راہ میں ہر اچھی بری وادی میں بھٹکتے رہنا ان شعراء کی تو جبلت ہے جنہیں اللہ نے ایمان اور عشق رسولؐ کی دولت سے محروم کیا ہوتا ہے۔ مگر شورش صاحب تو ختم نبوت کے دفاع میں حسانی رنگ لئے ہوئے تھے تو یہ کتنی بدقسمتی اور حسرت کی بات ہو گی کہ وہ یکایک والشعراء یتبعھم الغاوٗن الم تر انھم فی کل واد یھیمون ویقولون مالا یفعلون۔ کا مصداق بن جائیں۔

دینی مسئولیت اور معاملہ کی سنگینی کا احساس نہ ہوتا تو ہم اس معاملہ میں سکوت اختیار کرتے اس لئے کہ شورش صاحب کا قادیانیوں سے عین حالت جنگ میں اپنے آپ سے ملک کے تمام دینی و علمی حلقوں ناموس رسالت سے سرشار مسلمانوں کو ناراض کرنا ان کے حق میں بھی مفید نہ تھا اور شماتت اعداء کا بھی ذریعہ تھا۔ مگر افسوس یہ سامان انہوں نے خود فراہم کیا۔ قادیانیت سے برسر پیکار تلوار بہت سوں کی نظروں میں کند اور غیر مؤثر ہو گئی اور آج وہ الحق بھی بدقسمتی سے شورش کے اس

نئے مؤقف پر ملامت کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جیسے مرزائی تعاقب و استیصال کی وجہ سے قادیانی پریس چٹان کا ہم سفر قرار دے رہا ہے۔ اور الحق قادیانی رسائل و مجلات کے سب دشنام برداشت کرنے میں چٹان کا برابر کا شریک ہے۔

لیکن اس تلخ فریضہ کی ادائیگی بہرحال ان تمام دینی و ملی افراد کا دینی تقاضا ہے۔ جو انکارِ حدیث اور اس فتنہ کے سربراہ غلام احمد پرویز کی حقیقت سمجھ کر اسے اتنا ہی ناموسِ رسالت اور اسلام کے لئے خطرناک سمجھتے ہیں جتنا کہ یہ لوگ اور خود شورش صاحب ایک دوسرے غلام احمد کے قادیانی فتنہ کو اسلام کے لئے زہرِ ہلاہل سمجھتے ہیں۔ اس لئے کہ نبوت کے مقام و منصب سے بغاوت کے لحاظ سے انکارِ حدیث اور انکارِ ختمِ نبوت ایک ہی زہر کے دو نام ہیں۔ اگر شورش صاحب نے اتنی جلد اپنی رائے تبدیل نہ کی ہوتی اور وہ فتنۂ انکارِ حدیث کی تاریخ محرکات دواعی اور عوامل پر نظر ڈالتے اور پاکستان میں اس فتنہ کے علمبردار پرویز کے پورے لٹریچر اور خیالات کو نگاہ میں رکھا ہوتا، اور اسلام اور منصبِ نبوت و رسالت کے تقاضوں اور حقیقت پر پرویزی فلسفہ فکر کو پرکھا ہوتا تو یہ حقیقت ان پر بھی منکشف ہو چکی ہوتی کہ یہ فتنہ اپنی فتنہ سامانیوں کے لحاظ سے اسلام کے لئے ان فتنوں سے کسی طرح کم نہیں جو تاریخ کے ہر دور میں اہل الحاد و زندقہ نے اور پھر جھوٹے مدعیانِ نبوت نے منصبِ نبوت میں دجل و تلبیس کر کے اسلام کے خلاف کھڑے کئے۔

اور یہ ان تمام عجمی سازشوں سے بڑھ کر عجمی بلکہ یہودی سازش ہے جس کو اسلام کے رخِ زیبا سے ہٹانے کا کریڈٹ آج شورش، پرویز کو دے رہے ہیں۔ برعکس نہند نام زنگی کافور عجمی سازشوں کی تاریخ اگر شورش کی نگاہ میں ہوتی تو انہیں اس تاریخ کے ہر صفحہ اور ہر سطر میں در پردہ انکارِ حدیث کی کافرانہ چالیں نظر آتیں، قرامطہ، باطنیہ، خوارج معتزلہ، جہمیہ، معطلہ، محرفین قرآن، منکرین صحابہؓ اور ایسے کتنے لوگ تھے جنہوں نے ہر دور میں سنت ہی کے خلاف شکوک و شبہات اٹھا کر اپنی اسلام دشمن سازشوں کے لئے زمین ہموار کی پھر اس زمین میں عقلیت اور عجمیت کفر و الحاد، تشکیک اور زندقہ کا بیج بویا۔ یہ تو اسلامی لبادہ اوڑھ کر سنت اور حدیث کو نشانۂ تلبیس بنانے والوں کا حال تھا

اسلام کے بدترین دشمن یہود و نصاریٰ جنہیں صلیبی جنگوں میں شکست کے بعد اپنے

دینی عصبیت اور ملی حمیت اور اس سے بڑھ کر سیاسی استعماری اور سامراجی عزائم نے مجبور کر دیا کہ وہ اسلام کے خلاف فیصلہ کن معرکہ کے لئے اپنی تدابیر اور منصوبے منظم کر لیں تو انہوں نے مسلمانوں کے علمی و فکری محاذ پر سب سے اہم حربہ مستشرقین اور استشراق کے نام سے استعمال کیا جس کا اوّلین مقصد یہ ہے کہ اسلام اور رسولؐ اسلام کے بارہ میں ہر اس چیز میں شک، بدظنی اور ریب و تذبذب پیدا کیا جائے جس کی نسبت کسی طرح بھی اسلام کی طرف ہو یا وہ کسی درجہ میں بھی اسلام کی عزّت و افتخار میں اضافہ کا ذریعہ ہو۔ خواہ یہ چیز خود حضورؐ کی ذات اور ان کی سیرت تھی یا ان کی تعلیمات احادیث آثار و اخبار اور مسلمانوں کے عملی اور اعتقادی نظام کے لئے سرچشمہ قانون و آئین تھا۔ خواہ وہ قرآن تھا یا حدیث رسول اس مقصد کے لئے حضورؐ کی آئینی اور تشریعی حیثیت کو مجروح کرنا چاہا۔ سنّت کے راویوں کی وہ مقدس جماعت جو طبقۂ صحابہؓ میں کیوں شامل نہ تھی انہیں طعن و تشنیع کا نشانہ بنایا۔ راویوں پر نکتہ چینی ہوئی حدیث کے اوّلین مدوّنین کے کردار کو مشتبہ کیا گیا۔ چنانچہ مستشرقین کے سب سے بڑے گرو گولڈ زیہر نے مستقل طور پر ابو ھریرہؓ کی ذات اور حدیث کے مدون اوّل امام زہریؒ کی شخصیت کو داغدار بنانے کی سعی نامشکور کی، اسلام کے قابلِ فخر مشاہیر کے خلاف پروپیگنڈہ کا طوفان مستشرقین ہی نے اٹھایا، ایک پاکیزہ مثالی معاشرہ کی ایک بھیانک تصویر کھینچی۔

الغرض اسلام اور مسلمانوں سے جس چیز کو بھی کچھ نسبت تھی اسے مشق تحقیق بنا کر داغدار اور معیوب کرنا چاہا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اسلام کے بنیادی مصدر و مآخذ قانون و شریعت سنت اور حدیث کی تشریعی اور آئینی حیثیت کو خاص طور سے نشانہ بنایا۔ اسلام کے خلاف دسیسہ کاریوں اور اسلامی تحقیق کے پردے میں دجل و تلبیس کے اس میدان میں دشمنانِ اسلام کے ہاں۔ گولڈ زیہر مارگولیتھ، شاخت اور اس جیسے کئی آئمہ ضلال والحاد کے نام سنہری حروف میں لکھے گئے ہیں۔

منکرین حدیث کی ترجمانی کرنے والوں نے مستشرقین اور اعداء اسلام کے طویل المیعاد منظم علمی منصوبوں اور اس کے محرکات اور آراء و افکار کا گہرا مطالعہ کیا ہوتا تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح ان پر عیاں ہو جاتی کہ مرزائیت کی طرح فتنۂ انکار حدیث بھی سامراجی منصوبوں اور صیہونی سازشوں ہی کا ایک حصّہ ہے۔ اگر وہ اپنے ہاں متجددین، روشن خیال نام نہاد ترقی پسند اور منکرین حدیث کے افکار و نظریات کے سرچشموں کا صحیح کھوج لگاتے تو انہیں معلوم ہوتا کہ یہ لوگ اسلام کے خلاف وہی قے چاٹ چاٹ کر بھونکتے ہیں، جو سامراجی اور استشراقی کتے علمی تحقیق اور مشرق دوستی کے لبادہ میں

پچھلی ڈیڑھ دو صدیوں سے الگ رہے ہیں۔ یہ اپنے طور پر کچھ بھی نئی بات نہیں کرتے، یہ تو وہ سارنگی اور طنبورے ہیں جس کی ہر شر کسی غیر کے ہاتھوں کی مرہون ہوتی ہے۔

انکارِ حدیث اور انکارِ ختمِ نبوّت میں باہمی مماثلت

حقیقت یہ ہے کہ انکارِ ختمِ نبوت ہو یا انکارِ حدیث دونوں یکساں طور پر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے منصب و مقام نبوت اور ان کے لائے ہوئے دین و شریعت کے خلاف ایسی کھلی بغاوت ہیں کہ دونوں میں کسی طرح امتیاز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ دونوں کے درمیان وجوہ مماثلت پر ذرا بھی غور کیجئے تو دونوں غلام احمد (پرویز اور مرزائے قادیان) ایک دوسرے کے ظل اور بروز معلوم ہوں گے۔

وعدۂ وصل بجد لیست میان من و تو   کہ رقیب آمد و پرسید نشان من و تو

اور تناسخ والوں کی زبان میں ایسا معلوم ہوگا کہ قادیانی دجال کی بدبودار روح پنجاب کی ویرانوں میں بھٹکتی ہوئی اپنے ہی ایک ہم نام و ہم وطن غلام احمد پرویز کے غلیظ قالب میں دوبارہ نمودار ہو گئی ——— آیئے ذرا دونوں کے درمیان ان وجوہ مشابہت کا کچھ جائزہ لیں۔

۱۔ مرزا غلام احمد نے حضور اکرم کی نبوت اور اسکی تشریعی حیثیت کا زبانی اعتراف کرتے ہوئے بھی اپنے لئے تشریعی حیثیت کا دروازہ کھول دیا تو:

غلام احمد پرویز نے حضورؐ کی تشریعی اور آئینی منصب پر تو ہاتھ صاف کر دیا مگر "مرکز ملت" اور مرکزی حکومت کی اطاعت کے نام سے ہر اچھی بُری حکومت کو تشریع کا حق دیدیا۔ "اللہ اور رسول کی اطاعت، تابعداری اتباع، اقتداء اور تاسی۔ یہ تمام چیزیں رسول کی نہیں مرکز ملت کی اطاعت کا مطالبہ کرتی ہیں۔ اولوالامر سے افسران بالامراد ہیں۔

۲۔ غلام احمد قادیانی نے ختم نبوت کو خودساختہ عجیب و غریب معانی پہنائے اور ظلی اور بروزی گورکھ دھندوں میں ایک قطعی واضح اور بدیہی حقیقت کو عیسائیوں کے عقیدہ تثلیث کی طرح ایک معمہ بنا دیا۔ غلام احمد پرویز نے رسالت محمدیہ ماننے کا تو دعویٰ کیا، مگر حیثیت خاکش بدہن صرف ایک ڈاکیہ کی تسلیم کی اور ختم نبوت کا صاف الفاظ میں یہ مطلب لیا کہ اب انسانوں کو اپنے فیصلے آپ ہی کرنے ہوں گے۔ اور یہ کہ ختم نبوت سے مراد یہ ہے کہ اب دنیا میں انقلاب شخصیتوں کے

ہاتھوں نہیں تصورات اور اشخاص کی بجائے نظام کے ہاتھوں میں ہوا کرے گی ـــــ دیکھئے سلیم کے نام پرویز کا خط ۱۵ ص ۲۵۰ (گویا یہ تصورات اشتراکی اور لادینی کیوں نہ ہوں۔ اور نظام کارل مارکس اور لینن کا کیوں نہ ہو سب کچھ ختم نبوت کے کھاتے میں جائے گا۔)

۳۔ غلام احمد مرزا اور اس کے ساتھیوں نے اپنی جھوٹی نبوت کے اثبات کیلئے خود قرآن اور حضورؐ کی ذات کا سہارا لیا تو :

غلام احمد پرویز اور دیگر منکرین حدیث نے کتاب اللہ اور قرآن کی آڑ لیکر قرآن اور سنت اور خدا اور رسول کا باہمی تعلق کاٹنے کی سعی کی اور قرآن ہی کو اس سلسلہ میں اپنا حربہ بنایا

۴۔ غلام احمد متنبی نے نئی نبوت کا فتنہ کھڑا کر کے مسلمانوں کی ایک قطعی اجماعی عقیدہ میں رخنہ اندازی کی اور اسے ملت کا شیرازہ اتحاد بکھیرنے کا ذریعہ بنایا تو :

غلام احمد پرویز نے سنت کی آئینی حیثیت سے انکار کر کے ایک ایسے متفقہ صریح اجماعی مسئلہ میں دخل اندازی کرنا چاہی جو ختم نبوت کی طرح عہد صحابہ سے لیکر آج تک پوری امت کے ہاں طے شدہ مسلمات میں سے تھا۔

۵۔ غلام احمد قادیانی اور اس کا ٹولہ اپنے نبی کے لئے راستہ صاف کرنے کی خاطر انبیاء کی عیب جوئی اور طعن وشتم سے نہ چوکا ــــ یہاں تک کہ رسول عربیؐ کی ذات میں نقص نکالنے سے بھی گریزنہ ہوا تو غلام احمد پرویز اور اس کے ہمنوا آپ اپنے نظام اجتماعی اور مرکز ملت کا راستہ نکالنے کی خاطر سنت رسولؐ میں عیب جینی کرتے پھرتے ہیں۔

۶۔ غلام احمد قادیانی نے نئے امر و نہی پر مبنی شریعت کا علم اٹھایا اور پچھلے سارے دین پر خط نسخ کھینچنا چاہا، یا خود اس میں ہر طرح تبدیلی کا مجاز ٹھہرایا تو :

غلام احمد پرویز نے کہا کہ قرآن کے تمام احکام وراثت قرضہ لین دین صدقات، زکوٰۃ وغیرہ سب عبوری دور سے متعلق ہیں۔ (نظام ربوبیت از پرویز ص ۲۵ ص ۱۹۷ وغیرہ) اور یہ کہ ــــ مرکز ملت کو اختیار ہے کہ وہ عبادات، نماز روزہ معاملات اخلاق غرض جس چیز میں چاہے رد و بدل کرے۔ (مقام حدیث ج ا ص ۲۹۱ ص ۲۹۲، ۲۹۳) جبکہ عبادات پر اتنی ڈھٹائی سے ان کے پیش رو مرزا نے بھی تو چھرا نہیں چلایا تھا۔

۷۔ متنبی کذاب مرزا قادیانی نے شریعت کی تمام اصطلاحات کو تحریف کا نشانہ بنایا، تو غلام احمد پرویز نے امت کے متفقہ و مسلمہ مصطلحات شریعت کا مذاق اڑاتے ہوئے اسے

من گھڑت مفہوم و مطالب پہنانے اور ان کے ہاں آخرت سے مراد مستقبل (سلیم کے نام ج۲ ص۱۴۲) جنت و دوزخ مقامات نہیں۔ انسانی کیفیات (لغات القرآن از پرویز ج ا ص۴۴۹) فرشتے نفسانی محرکات ہیں اور ایمان بالملائکۃ کا مطلب یہ ہے کہ یہ قوتیں انسان کے آگے جھکی رہنی چاہئیں ـــــ
(ابلیس و آدم از پرویز ص۱۹۵ لغات القرآن ج ا ص۲۴۴)

جبرئیل انکشاف حقیقت کی روشنی کو کہتے ہیں۔ (ابلیس و آدم ص۲۸۳) آدم کسی وجود شخصی کا نہیں بنی نوع انسانی کا نام ہے۔ اور یہ کہ انسانی پیدائش ڈاروِن کے نظریۂ ارتقاء کے مطابق ہوئی ہے (لغات ج ا ص۲۱۴) نماز سے مراد نظام ربوبیت ہے (نظام ربوبیت ص۸۰) زکوٰۃ صدقات واجبہ کا مطلب ٹیکس ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۳۷ ص۱۲) ثواب اور وزن اعمال کا عقیدہ ایک افسون ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۶۷)

تقدیر کا عقیدہ مجوسیوں کا داخل کیا ہوا ہے۔ (ص۱۹۰) صدقۂ فطر ڈاک کے ٹکٹ بچ بین الملی کانفرنس قربانی صرف اس کانفرنس کے لئے راشن مہیا کرنے کا انتظام ہے تلاوت قرآن جادو منتر کے دور کی نشانی ہے۔ (دیکھئے لغات القرآن رسالہ قربانی، قرآنی فیصلے وغیرہ)

۸- غلام احمد قادیانی نے اپنے متبعین کے علاوہ سارے مسلمانوں کی تکفیر کی۔

غلام احمد پرویز نے کہا کہ اس وقت دین کے ہر گوشے میں تحریف ہو چکی ہے۔ (قرآنی فیصلے ص۲۶) اور اب قرآن کی رو سے سارے مسلمان کافر ہو چکے ہیں۔ (سلیم کے نام خطوط ج ۳ ص۱۹۷ تا ص۱۹۹) موجودہ مسلمان تو بس ہو سماجی مسلمان ہیں۔ (سلیم کے نام خط ج ۲ ص۱۸ ص۱۵)

۹- غلام احمد قادیانی کی نئی شریعت میں حلال بھی ہے، حرام بھی یعنی یہ حق اُسے حاصل ہے کہ جسے چاہے حلال کہدے جسے حرام۔ غلام احمد پرویز کی نگاہ میں بھی حلال و حرام کی جو طولانی فہرستیں ہیں وہ سب انسانوں کے خود ساختہ ہیں۔ اور پرویزی شریعت میں صرف چار چیزیں حرام ہیں۔ (طلوع اسلام مئی ۵۲ ص۴۹)

۱۰- غلام احمد قادیانی کی وحی اور الہام ـــــ "میں ولد میں" قسم کے ہذیانات سے بھرپور ہے۔

تو غلام احمد پرویز کے تفسیری نکات میں آپکو ویسٹلونک عن المحیض۔ کا مطلب سرمایہ دارانہ معاشی نظام جیسے قرآن دانی کے شاہکار ملیں گے۔ تلک عشرۃ کاملۃ۔

اس وقت ہم صفحات کی گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے ان چند مثالوں سے دونوں کی باہمی مماثلت و مشابہت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے منکرین حدیث کی وکالت کرنے والوں بالخصوص شورش صاحب سے پوچھتے ہیں کہ یہ کیسا جذبۂ ناموس رسالت اور حمیت دینی ہے۔ اور ایسا کیوں ہے کہ ایک غلام احمد

کے بارہ میں تو آپ کی رائے بالکل صحیح رخ اختیار کرتی ہے۔ مگر دوسرے میں آپ کو حسینؓ کی مظلومیت اور فضلائے امت کی عبقریت نظر آنے لگتی ہے۔

جہاں تک کسی حدیث کا بظاہر قرآن سے مخالفت یا ائمہ حدیث امام بخاری و مسلم وغیرہ کا لاکھوں احادیث سے چند ہزار کا انتخاب اور اس جیسی دیگر باتوں کا تعلق ہے تو نہ صرف یہ بلکہ حدیث کی جمع تدوین کتابت وغیرہ اور اس سے متعلقہ تمام مباحث اس حد تک علماء امت کے ذریعہ منقح ہو چکے ہیں کہ اس پر اب مزید اضافہ ممکن نہیں علم و تحقیق کی یہ باتیں شورش صاحب نہ ہی چھیڑیں تو بہتر ہے۔ اور اگر خواہ مخواہ شوقِ سخن ہے۔ تو علماء ان سب کا نہایت بسط و تفصیل سے صدیوں قبل فیصلہ کر چکے ہیں۔ ایک نظر اس پر ڈال کر اس بحث میں اتریں اسلامی لٹریچر میں اب حجیت حدیث ایک مستقل علم بن چکا ہے۔ اور ہندی نژاد پرویز تو کیا یورپ کے مستشرقین تک کے چھکے چھڑا دیئے گئے ہیں۔

اصولی طور پر شورش صاحب پرویز کا نبی کریم کے مقام و منصب اور تشریعی حیثیت کے بارہ میں بے لاگ لگی لپٹی کہے بغیر خیالات معلوم کرلیں اس کے بعد معاملہ صاف ہو جائے گا۔

قرآن تو واضح اور غیر مبہم الفاظ میں باربار رسول کی ان تمام حیثیتوں کو متعین کر رہا ہے۔ یہاں ہم اشارات پر اکتفا کرتے ہیں۔ • رسول بحیثیت معلم و مربی۔ (بقرہ آیت ۱۲۹ — ۱۵۱ آل عمران ۱۶۴ وغیرہ) • رسول کتاب اللہ کا شارح ہے۔ وہ قرآن کی تبیین پر مامور ہے۔ (نحل آیت ۴۴) • رسول پوری امت کے لئے پیشوا مقتدا، نمونہ، اسوہ اور واجب الاتباع ہیں۔ (آل عمران آیت ۳۱، ۳۲) • رسول خدا کی طرح شارع (LEGISLATOR) ہیں۔ (اعراف آیت ۱۵۷، حشر آیت ۷) • رسول قاضی اور فیصلہ کن اتھارٹی ہیں۔ (النساء ۱۰۵ الشوریٰ ۱۵۔ النور ۵۱ النساء ۶۵) • رسول اکرمؐ نبی ہی کی حیثیت سے اللہ کے مقرر شدہ حاکم اور فرمانروا ہیں۔ (النساء ۶۴، ۵۹ — ۸۰ الفتح ۱۰ محمد ۳۰)

الغرض سنت اور صاحبِ سنتؐ کے بارہ میں پرویز صاحب کا اصولی موقف کیا ہے جس کے ماخذ و مصدر قانون ہونے پر امت کا اجماع ہو چکا ہے اور جسکی اتباع و اطاعت ایمان کی اولین شرط ہے۔

اس بارہ میں امت کے واضح اور اجماعی طرزِ عمل قرآن کریم کی صریح ہدایات نبی کریمؐ کے کھلے ارشادات کے ہوتے ہوئے کسی منکر حدیث کے بارہ میں شورش صاحب کس منصب کے زعم میں یہ حق رکھتے ہیں کہ ہر مکتب فکر کے اجماعی فتویٰ کو واپس لینے کا مشورہ دے سکیں جبکہ یہ حق امت کے کسی بڑے سے بڑے عالم اور رہنما کو بھی حاصل نہیں تو پھر کیا شورش صاحب اخلاص و خیر خواہی پر مبنی ان معروضات پر غور کرتے ہوئے اپنے نئے خوشگوار موقف پر نظر ثانی فرما دیں گے۔ خدا کرے وہ اپنی جذباتی طبیعت پر مبنی اس موقف سے جلد ہی رجوع فرمالیں۔

واللہ یقول الحق وھو یھدی السبیل۔

سمیع الحق
۷ر جمادی الاولیٰ ۱۳۹۴ھ

سمیع الحق

عالمِ اسلام کے چند علمی حادثے

پچھلے دو ماہ میں عالم اسلام کو کئی ایسے مشاہیر علم و دین کی جدائی کا داغ سہنا پڑا جن کا علم و ادب دین اور شریعت کے لحاظ سے ایک ممتاز مقام تھا۔ زوالِ علم اور اضمحلال دین کے اس دور میں ایسے حضرات کا دار فانی سے رحلت بجا طور پر رنج و غم کی بات ہے۔ حق تعالیٰ ملتِ مسلمہ کو ان نقصانات کا نعم البدل دے اور مرحومین کو درجات قرب سے نوازے۔

شیخ ابوزھرۃ مصری | ۱۹ ربیع الاول ۱۳۹۴ھ مطابق ۱۳ اپریل ۱۹۷۴ء عالم اسلام کے مشہور مصنّف و نقاد عالم الشیخ محمد ابوزہرۃ مصر میں انتقال فرما گئے موصوف کثرتِ تصانیف، تحقیق و تنقید، بحث و تحلیل وسعت معلومات قوتِ حافظہ بلکہ خطابت کے لحاظ سے یگانۂ روزگار علماء میں سے تھے۔ انہوں نے فقہ اصولِ فقہ، ائمہ فقہ اور دیگر ائمہ اسلام پر نہایت قیمتی تصانیف چھوڑیں جن میں سے بعض ہمارے ہاں اردو تراجم میں شائع ہو چکے ہیں۔ اس کے علاوہ موسوعۃ الفقہ الاسلامی الاحوال الشخصیۃ، الزواج الطلاق، الحدود، القصاص، الجریمۃ و العقوبۃ فی الشریعۃ الغراء اور فرقِ اسلامیہ جیسی وقیع علمی اور تحقیقی بھی ان کے علمی تاثر میں شامل ہیں عالم عرب کا کوئی وقیع مجلّہ بہت کم ہی ان کے مقالات اور مضامین سے خالی رہا ہوگا۔ مصر کی مختلف یونیورسٹیوں کالجوں میں پڑھانے کے علاوہ وعظ و ارشاد مقالات اور الغرض ساری زندگی علم اور تصنیف و تالیف ہی انکا اوڑھنا بچھونا رہا۔ مسلکاً حنفی تھے۔ مگر بعض مسائل میں اپنی تحقیق پر اعتماد فرماتے۔ مصر جیسے روشن خیال ماحول میں وہ واحد شخص تھے جو کلاسوں میں لیکچر دیتے وقت طلبہ اور طالبات کو الگ الگ بٹھاتے۔ اللہ تعالیٰ ان کی خدمات علمی کو شرف قبول بخش کر عالم اسلام اس سے استفادہ کی توفیق دے اور ان کے علمی زلّات سے درگذر فرما دے۔

علامہ علال الفاسی | دوسرا حادثہ بھی ایک برادر مسلم ملک مراکش میں علامہ الشیخ علال الفاسی کی وفات کی شکل میں پیش آیا۔ علامہ الفاسی نہ صرف مراکش بلکہ عالم اسلام کی چند ایک برگزیدہ شخصیتوں

میں سے تھے۔ علمی، سیاسی، دینی خدمات کے لحاظ سے نہایت اونچا مقام تھا۔ اصابت رائے، دینی جذبات عالم اسلام کے دینی و علمی فتنوں کا گہرا احساس تھا۔ تدین و تقویٰ کے مالک تھے۔ سامراجی استعمار کے خلاف برسر پیکار رہے۔ ان کے مومنانہ جذبات و آراء کا اندازہ ان لوگوں کو بھی ہوگا جنہوں نے الجزائر کی علمی و اسلامی کانفرنس کی رپورٹ اخبارات میں پڑھی ہوگی۔ کہ سامراجی سازشوں اور عالم اسلام کے خلاف استعمار کے علمی اور سرگرمیوں پر کتنی گہری نظر رکھتے تھے۔! اللہ تعالیٰ مراکش کے اس قابل فخر سپوت کو بہترین درجات عطا فرماوے۔

شیخ احمد تکروری سینگال | ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۹۳ھ کو جمہوریہ سینگال کے ایک ممتاز عالم اور داعی شیخ الحاج احمد التکروری کا وصال ہوا۔ دیگر علمی خدمات کے علاوہ آپ نے — ضیاء النیرین للجامع بین علوم الطائفتین۔ کے نام سے کئی جلدوں میں تفسیر بھی لکھی۔ جن خطوں میں علماء کی ضرورت زیادہ مگر تعداد کم ہے۔ وہاں ایسے علماء کا انتقال اور بھی احساس غم میں شدت پیدا کر دیتا ہے۔

مولانا عبدالمنان دہلوی | بھارت میں ممتاز عربی ادیب، شاعر، صوفی، عالم، مولانا عبدالمنان دہلوی، باغ و بہار شخصیت کے مالک عربی فارسی کے ہزاروں اشعار کے حافظ عربی ادب کے باب المراثی اور قصائد میں ماہرانہ دسترس اکابر دیوبند کے عاشق زار اور شاعر ہونے کے باوجود ذاکر شاغل صوفی صافی بیشمار خوبیوں اور کمالات کے مالک حق تعالیٰ اپنے محبوب اکابر حضرت مدنیؒ اور حضرت رائے پوری کی صحبت و معیّت سے نوازے اور فی مقعد صدق عند ملیک مقتدر کا شرف نصیب ہو۔

مولانا محمد نبیہؒ | بھارت سے ایک اور اطلاع کے مطابق ۱۲-۱۳ ربیع الاوّل ۱۳۹۴ھ کی درمیانی شب حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے ایک ممتاز خلیفہ مولانا محمد نبیہؒ نے دار فانی کو الوداع کہا۔ حد درجہ متواضع معمولات کے پابند قرآن کریم سے بے حد شغف رکھنے والے بزرگ ان کے فرزند مولانا محمد وجیہ صاحب مدرسہ ٹنڈو اللہ یار میں استاد حدیث ہیں۔ حق تعالیٰ مرحوم کو اعلیٰ مقامات سے سرفرازی بخشے۔

مولانا مسعود آزادؔ | ۱۲ جمادی الاوّل ۱۳۹۴ھ کو لاہور سے مولانا مسعود آزاد کی رحلت کی اطلاع ملی۔ موصوف شاہ عبدالقادر رائے پوری کے خاص مقربین و خدام میں سے تھے۔ خود بھی صاحب وعظ و ارشاد تھے۔ مرشد کے اتباع میں تا مرگ یہی شغل رہا۔

رضی اللہ عنہم و ارضاھم

ترجمہ از مجلہ رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ

مستشرقین کے اسلام دشمن استعماری افکار

بقلم: ڈاکٹر محمد البہی
ترجمہ: ابوالحسین سید محبوب علی شاہ
اردن یونیورسٹی
حال استاذ عربی، دارالعلوم حقانیہ

اسلام اور مسلمانوں کے بارہ میں مستشرقین کا رویہ

سرسید نے برصغیر میں انگریزی استعمار کیلئے فضا سازگار بنائی۔ اس کے بعد مرزا غلام احمد قادیانی کو استعماری عزائم کی تکمیل کے لئے مناسب میدان میسر تھا۔

★

مستشرقین کی کتابیں دو طرح کے میلان سے بھرپور ہیں:

۱۔ اسلامی ممالک میں استعمار کا مسلط کرانا۔

۲۔ ان ممالک کے لوگوں میں سے اجنبی اثر و نفوذ اور ان کی بالادستی پر راضی رکھنے کے لئے لوگوں کو آمادہ کرنا۔

چنانچہ اس مقصد برآری کے لئے مستشرقین نے دو طریقے بروئے کار لائے۔

۱۔ اسلامی دینی اقدار و قیم کو ضعیف قرار دینا، اور اسلامی وحدت سے لوگوں کو مایوس کرنا۔

۲۔ اجنبی داخل کردہ افکار کی عظمت بیان کرنا۔

ان کے اسلامی اقدار کو کمزور دکھانے کے دو طریقے ہیں۔

۱۔ یا تو ایسا کرتے ہیں کہ اسلام کے بعض ارکان و مبادی کی ایسی تشریح کرتے ہیں۔ کہ مسلمان اسکو حسب تشریح کمزور کر دیں۔

۲۔ اور یا کسی اصل اسلامی کی غلط شرح و تفسیر کی بنیاد پر ایک نئی فکر ایجاد کرتے ہیں۔ اور پھر یہ ایک مذہب بن جاتا ہے۔ اور اس کے عقیدتمند اپنے قوت ایمان کے ساتھ اسکی مدافعت کرنے لگ جاتے ہیں۔

مثلاً مستشرق زکوٰۃ کے رکن کی اس طرح شرح بیان کرتے ہیں :

"بیشک مادی اموال — اسلام کی نظر میں — نجس اور شیطانی اصل سے ہیں۔ اور مسلمان اس سے فائدہ لینے کے حقدار ہیں، بشرطیکہ وہ اسے پاک کریں۔ اور یہ تب ہو سکتا ہے کہ ان اموال کو خدا تعالیٰ کی طرف لوٹا دیں"۔[1]

اس طرح مستشرق دنیا کی پیدائش کو اسلام کی نظر میں پیش کرتے ہوئے کہتا ہے :

بیشک اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتہ پیدا کیا ہے۔ جو زمین کو اپنے طاقتور کاندھوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اور اس کے پاؤں زمرد پر ہیں جیسے ایک بیل اپنے دونوں سینگوں پر اٹھائے ہوئے ہے۔ اور یہ بیل ایک بہوت نامی مچھلی پر کھڑا ہے۔ اور یہ مچھلی ایسے وسیع پانی پر تیرتی ہے جسکی وسعت کا علم اللہ تعالیٰ ہی کو ہے۔[2]

اسی طرح مستشرق مرد کی عورت پر برتری کا ذکر تفوّق "SUPERIORITY" کے فکر سے کرتا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ اسلام کی نظر میں یہ ایک امارت ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے اسے دی ہے۔ اور یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نچلے شخص کو اونچے شخص کے لئے پیدا کیا ہے۔

اور اسکی آڑ میں وہ طرح طرح کی باتیں نکالتے ہیں۔ تاکہ عورت کو گھٹیا بنانے اور اسے غلامی و تابعداری سے منسوب کرنے کی بابت وسیلہ پکڑا جائے۔

اسلام کا ایک مبداء یہ ہے کہ "مسلمان کسی غیر مسلم کی دوستی قبول نہیں کرتا" جیساکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے : یا یھا الذین امنوا لا تتخذوا بطانۃ من دونکم۔

مستشرق اسکی اس طرح شرح کرتا ہے :

کہ دوسری اقوام کے ساتھ دستِ تعاون بڑھانے کی رغبت نہ کی جائے۔ یا غیر مسلموں کی سربراہی سے نفرت کی جائے۔ اگرچہ ان میں یہ صلاحیت مسلمانوں سے کہیں زیادہ موجود ہو۔

جہاد کے بارہ میں کہتے ہیں کہ :

جہاد فی الاسلام، ایک جارحیت ہی کی فکر ہے۔ اسلام نے اسے شرعی و دینی رنگ دیا کہ مسلمان غیر مسلموں کی جارحیت کو روکیں اور اپنی جان و مال کی حفاظت کریں ۔۔۔۔

---

[1] دراسۃ عن الاسلام فی افریقیا السوداء [2] کتاب مذکور : ص : ۴۹

یہ غذیہ جارحیت اور عدوان کی طرف میلان والی فکر ہے ۔

اس طرح :

ایک مسلمان عورت کی ایک غیر مسلم کے ساتھ شادی کی حرمت کے مدار کی اس طرح شرح کرتے ہیں: کہ "یہ جنسیت کی فکر ہے۔ جو قوم پرستی کے کریہہ جذبے یا غرور کی وجہ سے ایک قوم کی دوسری قوم پہ برتری کی خاطر قائم ہے۔ حالانکہ اس قسم کی برتری کا عقلی و نقلی کوئی ثبوت نہیں بلکہ یہ تو درکنار اسلام کے بارہ میں کہتے ہیں : کہ یہ محمد (صلعم) کی پیداوار ہے جس میں تحریف و تبدیل کی گئی ہے ---- (دیکھیے ان کا دائرۃ المعارف الاسلامیہ ۔)

اصول اسلام کے کسی رکن اور اصل کی ایک خاص قسم تفسیر و تشریح کی آڑ میں اسلامی و دینی اقدار کا ضعیف بنانا آخر کار مذاہب اسلامیہ میں سے ایک مذہب بن جاتا ہے۔ جیساکہ انیسویں صدی عیسوی میں مرزا غلام احمد قادیانی کی مشینری نے " احمدی مذہب " کو جنم دیا۔ یہ مذہب تب بناکہ اس کے لئے ثقافتی روحی اور فکری فضا ساز گار ہوئی۔ اور (سر) سید احمد خان کے ذریعہ اسے فروغ ملا۔

(سر) سید احمد خان علی گڑھ کالج کے بانی ہیں۔ ان کی اپنی ایک تفسیر قرآن بھی ہے۔ یہ انیسویں صدی میں عمر بھر انگریز بالادستی کے لئے تعاون کرنے اور ان سے دوستی جوڑنے کے داعی رہے ۔

اس مذہب نے جہاد کے بارے میں یہ فکر دی کہ :

"جہاد فی الاسلام تو اس وقت تک ایک وقتی حکم تھا۔ جبتک اسلام ایک دین نہ بن گیا تھا۔ اور مسلمان قوم کا حکم نہیں ٹھہرا تھا۔ پس اب تلوار یا قوت سے اسلام کا نافذ کرنا ضروری نہیں۔ بلکہ اسلام کیطرف بلانے میں صلح و آشتی کے طریقے بروئے کار لائے جائیں۔ چاہے کچھ بھی ہو۔ حالات اب انگریز حکومت کی دوستی چاہتے ہیں "

جہاد جیسے رکن پہ عمل اسلام کے صدر اوّل اور خیر القرون سے جو تا حال سمجھا جاتا رہا ہے۔ اس تفسیر احمد خانی سے وہ بالکل باطل ہو جاتا ہے ۔

" قادیانیت " جو " احمدی فرقے " کی شاخ ہے ۔ اور " احمدیت[1] " میں فرق یہ ہے کہ قادیانیت کے مذہب میں داعیِ اوّل : مرزا غلام احمد کو " نبی " مانا جاتا ہے ۔ اور احمدیت کے مذہب میں مرزا صاحب

---

[1] فاضل مضمون نگار مرزائیوں کے قادیانی اور لاہوری پارٹی میں فرق کرنا چاہتے ہیں۔ مگر غلطی سے لاہوری جماعت کی بجائے احمدیت لکھا ورنہ قادیانیت اور احمدیت ۔ ایک ہی جماعت کے دو نام ہیں ۔

کو "مصلح یا مجدد فی الاسلام" مانا جاتا ہے۔

درحقیقت ہندوستان کے انگریز استعمار ہی تھے جنہوں نے (سر) سید احمد خان کے نام نہاد "دینی اصلاح" کی حوصلہ افزائی کی اور اسے علی گڑھ (ہند) میں ایک کالج کھولنے میں مدد دی پہلے اس کا نام اسلامی کالج تھا۔ اور اب اسلامی یونیورسٹی کے نام سے معروف ہے۔

چونکہ (سر) سید احمد خان اسلام کے رنگ میں ایک انگریز دوست داعی تھے۔ اس لئے (ایک مشہور تاریخی شخصیت) جمال الدین افغانیؒ نے اپنی کتاب (الرد علی الدھرین۔ دہریوں پر رد) میں (سر) سید احمد خان کو دہری کافر و ملحد اور اسلامی ملک میں انگریز استعمار کا حامی قرار دیا۔

(سر) سید احمد خان نے جب ارضِ ہند میں انگریز سیاست کے لئے دوستی کے راستے ہموار کئے تو پھر انگریز استعمار ہی نے مرزا غلام احمد قادیانی کے مذہب کو فروغ دینے میں حوصلہ افزائی سے کام لیا۔ اور اب تنویر بین المشرقیین (مشرق کو روشن خیال بنانے) اور "تو قیتیب" کی فکر کے ذریعہ مسلمانوں کے عقائد کو تاراج کرنا چاہتی تھی۔ بلکہ مستشرقین نے فکر تو قیتیب پر مزید افزائش کی کہ:

"قرآن کو پکڑا جائے، اسکی طرف رجوع کیا جائے، اس لئے کہ یہ کل مسلمانوں کا پہلا بنیادی مرجع اور اصل ہے۔"

"اس فکر کے ذریعہ اولاً اسلامی تعلیمات کے متعدد شروح و خلافات کو سامنے رکھ کر فیصلہ نہ کیا جائے، جو ظاہریہ، باطنیہ، صوفیہ اور فقہاء وغیرہ کے مابین ہوئے ہیں۔"

"ثانیاً یہ کہ اسلامی تعلیمات کو پیچیدہ بنانے سے قبل صاف اور سادہ تعلیمات کی طرف رجوع کیا جائے۔ اس طرح سے اسلامی امت کو وحدت نصیب ہوگی ورنہ کم از کم آراء اور سیاست میں تو عدم اختلاف کی بناء پر اسے اپنایا جاسکے گا۔"

لیکن جب مستشرقین نے یہ فکر پیش کی اور دیکھا کہ مسلمان تو صحیح خدوخال پر جارہے ہیں۔ تو انہوں نے اور راہ لی اور اس طرح شرح کرنے لگے کہ:

"قرآن اور صحابہؓ کے دور اول کی طرف رجوع کرنا گویا ان ابتدائی تعالیم کی طرف رجوع کرنا ہے۔ جو ابتدائی امت مسلمہ کے ساتھ وابستہ تھیں۔"

پس جو شخص قرآن و صحابہؓ کے دورِ اول کو اپنانے کی فکر پیش کرتا ہے۔ مستشرقین اسکی مخالفت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اس لئے کہ اصلاح تو ترقی اور تطور کا نام ہے۔ اور یہ ترقی جدید شہری طریقے، ہم عصر قوانین اور جدید انسانی تقاضوں کو اپنانے کا نام ہے۔ اور جب انسان ابتدائی دور اور ابتدائی طریقوں کی طرف لوٹتا ہے تو وہ گویا اصلاح کو سمجھ نہیں سکا، بلکہ وہ تو صرف برائے نام اصلاح جو ہے۔"

اس طرح مستشرقین مسلمانوں کے درمیان تفرقہ ڈالنے کے ذریعہ مسلمانوں کو وحدت سے مایوس کرتے ہیں۔

چنانچہ عراق میں عرب اور کرد کے درمیان، شمالی افریقہ میں عرب اور بربر کے درمیان بغداد، ایران اور دیگر ممالک اسلامیہ میں سنی اور شیعہ اختلافات کو ہوا دیتے ہیں۔

جب مستشرقین علم الاجناس اور طبیعۃ اقوام کے استدلال پر اپنی بات کہتے ہیں تو وہ جغرافیائی ماحول اور اسلامی اقوام کے دیرینہ ثقافتی عوامل کے ذریعہ اسلام میں ایک اور رخنہ ڈالتے ہیں۔ کہتے ہیں:

"اسلام ایک نہیں، متعدد ہیں۔ ایک تو صرف اس وقت تھا جس وقت ابتدائی دور میں وحی نازل ہوئی۔ اور مسلمان شرحوں سے رک گئے اور انہوں نے ایمان و طاعت پر زور دیا۔"

"جب مسلمانوں نے شرح کی طرف توجہ دی اور شرح قرآن اور تعالیم اسلام میں اپنی قدیم ثقافتیں اور موروثی عادات کو داخل کیا تو اسلام کا نہ ایک راستہ رہا اور نہ ایک دین، بلکہ یہ تو مختلف دینوں میں بٹ گیا جو مکمل اسلام نہیں، بلکہ اس کا صرف اسلام سے تعلق ہے۔ جیسا کہا جائے ہند کا اسلام، ترکی کا اسلام شمالی افریقہ کا اسلام مصر کا اسلام، ملایا انڈونیشیا وغیرہ کا اسلام۔ اور ہر ملک کا اسلام دوسرے ملک کے اسلام سے مختلف ہے۔ اور ہر ملک کے اسلام کا ایک مفہوم ہے۔ ان کے یہ افہام صحیح ہیں۔ اس لئے کہ یہ سب مسلمان اسلامی مصادر اور محمد (صلعم) کی رسالت سے منحرف نہیں۔"

اب یہاں مذکورہ شرح میں مسلمانوں کی جمعیت میں رخنہ پردازیوں کے ساتھ ساتھ مستشرقین کی طرف سے ایک اور عامل داخل ہوتا ہے۔ وہ عامل "اسلام کا مسیحیت سے جوڑ اور متاثر ثابت کرنا ہے۔" بہت سے مسیحیوں کی رائے ہے کہ: "دین مسیحی ایک فردی یا شخصی دین ہے جو فرد کے مطابق بنتا ہے۔ اور اسکی شخصیت سے متاثر ہوتا ہے۔"

"مسیحی حضرات آپس میں کتنے بھی مختلف ہو جائیں مسیحیت کے فہم و تصور میں ایک ہی ہیں۔ اس لئے کہ مسیحیت ارکان و مبادی سے بنا ہوا دین نہیں۔ بلکہ یہ اصول مقدسہ کی بابت کسی فرد کا شعور اور احساس ہے۔ اور مسیحی وحی کوئی کتاب نہیں جسکی تلاوت ہو اور شرح کی جائے، بلکہ عیسیٰ علیہ السلام ہی مسیحی شخص کے لئے سب کچھ ہیں، جو اسے حاضر ہوتا ہے اور وہ اسکی اقتدا کرتا ہے۔"

اور یہ لوگ اپنی استعماری عادت کے ساتھ ساتھ مسیحیت کے اس تصور کے ذریعہ اسلام پر ضرب لگانے لگے۔ انہوں نے یہ نہیں دیکھا کہ امت مسلمہ کی تاریخ مسلمانوں کے مختلف ادوار میں آپس میں اس اسلام کے ساتھ تعلق کی تاریخ ہے جس کے اصول مقرر ہیں۔ اور وحی محمدیؐ تب بند ہوئی کہ اس کے مبادی بتا دیئے گئے۔

الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔

اور مسلمان جس دور سے گذر رہے ہیں۔ وہ مسلمانوں کا اسلام سے تعلق پر ہے۔ بلکہ مستشرقین اسلام کو ترقی پذیر بتاتے ہیں کہ اسلام زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ مقامی اور عالمی حوادث کی تاثیر کے تحت اپنے مبادی میں جدت پیدا کرتا ہے۔

اور یہیں سے مسلمانوں کو مشورہ دیتے ہیں کہ :

"وہ تاریخ اسلام کے ماضی قریب یا ماضی بعید کو نہ اپنائیں، بلکہ لازم ہے کہ اسلام کو جدید رنگ میں ڈھالیں اور اسے ایسی شکل میں ترقی دیں جو موجودہ انسانی تقاضوں کو پورا کرے۔ اس لئے کہ ماضی کی بات حال پر صحیح نہیں اترتی، کہ ماضی کی بات تو اپنے وقت کے تقاضے پر تھی جو گذر گئی۔ اور انسانی تمدن ہی اپنی راہ ترقی میں اسلام کو کمی بیشی کی تلقین کرتا ہے۔"

اس کا مطلب یہ نکلتا ہے کہ پہلا اسلام ــــــ جو مسلمانوں کا قرآن کو سمجھنے کا پہلا مفہوم ہے۔ ختم ہو گیا۔ اور زمانہ ہی بنیادی عامل ہے۔ جو اسلام کو نیا رنگ دیتا ہے۔ اور مسلمانوں کو نئے تمدن پر گامزن کرتا ہے۔ جس میں قانون اور زندگی کے بڑے بڑے نمونے ہیں۔ اور امت بنانے کی بنیادیں اور نظام محکم ہوتا ہے قوموں کو ایک دوسرے کے ساتھ علاقات ہوتے ہیں۔ اسلام بحیثیت دین اصول و مبادی کا مجموعہ نہیں بلکہ یہ تو انسان کی تہذیب اور اسکی صفائی نفس پر عمل کرنے والی عادت و رجحان کا نام ہے۔"

جیسا کہ وہ کہتے ہیں کہ اسلام ایک نہیں بلکہ متعدد اقوام کی وجہ سے اور فہم قرآن میں ان اقوام کے مسلمانوں کا ثقافتی عوامل کے اختلافات کی بناء پر متاثر ہونے کی وجہ سے اسلام متعدد ہیں ــــ چنانچہ

اسلام مسلمانوں کے فرقوں کی وجہ سے بھی متعدد ہیں۔ یہ صوفیوں کا اسلام ہے تو یہ فقہاء کا اسی طرح مصادر و مآخذ کے لحاظ سے بھی اسلام متعدد ہیں۔ یہ قرآن کا اسلام ہے۔ تو وہ حدیث و سنت کا ہے۔ جو قرآن سے مختلف ہے۔

یہ دو فکریں اور دو تجاویز یعنی :

۱۔ حادثات زمانہ کے ساتھ ساتھ اسلام کا نیا بنانا اور اسلام کے بعض مبادی اور احکام کو کسی وقت کے لئے مقرر کرنا۔

۲۔ متعدد اقالیم کے مسلمانوں کے لئے اور متعدد فرقہ ہائے اسلام یا متعدد مصادر کے لئے متعدد اسلام ٹھہرانا۔

یہ دونوں افکار ایسے ہیں کہ آج مصر اور بیرون مصر میں بہت سے سادہ لوح مسلمانوں پر اس کا جنون سوار ہے ــــ یہ تو درکنار دنیائے مشرق اسلامی کے باتعلیم و تہذیب یافتہ حضرات پر ان افکار کے تاثر کا یہ عالم ہے کہ ثقافت اسلامیہ پر کام کرنے والے حضرات ہی متعدد طریقوں سے ان دونوں افکار کی ترویج اور ان کی طرف بلانے کا بیڑہ اٹھا رہے ہیں۔ ان کا پہلا وسیلہ یہ ہے :

کہ اسلامی اقدار کو کمزور کیا جائے اور مسلمانوں کو وحدت و یگانگت سے مایوس کیا جائے۔

دوسرا وسیلہ ان کے اس فکر کا ہے کہ : اسلام بحیثیت دین اصول و مبادی کا مجموعہ نہیں۔ بلکہ اسلام تو انسان کے نفس کی صفائی پر عمل کرنے اور انسان کی بہتری و تحسین کیطرف روحانی رغبت کا نام ہے۔

اس سے ان مستشرقین کی غرض یہ ہے کہ اسلام کو افراد کے آپس میں علاقات سے منسلک کرنے والے نظام یعنی (دولت یا امت یا حکومت) سے دور کیا جائے۔

بالفرض اگر مسلمانوں میں کوئی شخص ایک تجویز کی شکل میں ان کا مندرجہ ذیل فکر رائج کر دے کہ :

" اسلام حکم و سیاست سے بعید ہے۔ یا یہ کہے کہ اسلام اس قابل نہیں کہ اس میں دینی قوام اور دینی ارشاد موجود ہو۔ اور ایک جماعت ان تعلیمات سے ممتاز ہو۔ بلکہ اسلام تو ایک فردی اور شخصی دین ہے۔ اس میں ایک کا دوسرے پر تسلط نہیں۔"

اس قسم کی بات کہنے والا کوئی نئی بات نہیں کہے گا۔ بلکہ وہ تو مستشرقین کی تعلیمات کی صورت میں استعمار کی بنائی ہوئی فکر کو دہرائے گا۔ یہی مثال اس شخص کی ہوگی جو اسلام کو ماڈرنائز اور ترقی یافتہ بنانے اور متعدد دین ــــ وغیرہ کی فکر پیش کرے گا ــــ نتیجہ یہ نکلا کہ :

ــ یہ فکر کہ : "جہاد ختم ہوا ہے یا جہاد کا حکم تو وقتی طور پر تھا۔" استعمار کی فکر ہے۔

- یہ فکر کہ: دنیا کے حالات کا تقاضا ہے کہ مسلمان غیر مسلم کے ساتھ رشتے جوڑیں اور ان کی حکومت سے راضی ہوں۔ استعمار کی فکر ہے۔
- یہ فکر کہ: اسلام خود راہ ترقی میں زمانہ کے عوامل کے سامنے عاجز ہے اور نیا ہوتا رہتا ہے۔ استعمار کی فکر ہے۔
- نیز باطنی کی تعالیم پر کاربند نہ رہنے کی فکر۔ استعمار کی طرف سے ہے۔
- یہ فکر یعنی: متعدد اقوام و اجناس اور متعدد مسلکوں اور مصادر کے لئے ایک اسلام کی بجائے متعدد اسلام ٹھہرانا۔ استعمار کی فکر ہے۔
- یہ فکر کہ: اسلام ایک فردی اور شخصی دین ہے۔ اور ایک شخص کے دوسرے کے ساتھ علاقات میں دخل دینے کا مجاز نہیں، مسیحیت اور استعمار کی فکر ہے۔ یہ (فصل الدین عن الدولة) "سیاست کا دین سے جوڑ نہیں" کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔
- اسلام کے مبدأ "مسلم عورت کا کافر کے ساتھ نکاح جائز نہیں" کے حکم کو عنصریت سے تعبیر کرنا، اور جہاد فی سبیل اللہ کے فرض ہونے کے حکم کو غدر اور تجاوز و اعتداء سے تعبیر کرنا۔ اور مرد کا عورت پر قوام ہونے کے نص کو جنسی برتری سے تعبیر کرنا اور اس قسم کے دیگر مسائل استعمار کی پیداوار ہیں۔ (بہ شکریہ مجلہ رابطۃ العالم الاسلامی۔ مکۃ المکرمہ۔ شمارہ مارچ ۱۹۷۷ء)

دیانتداری اور خدمت ہمارا شعار ہے

ہم اپنے ہزاروں کرم فرماؤں کا شکریہ ادا کرتے ہیں

جنہوں نے

پستول مارکہ آٹا

استعمال کر کے ہماری حوصلہ افزائی کی

★

نوشہرہ فلور ملز ـــ جی ٹی روڈ ـــ نوشہرہ

فون نمبر ۱۲۶

جناب سلیم الحق صدیقی - کراچی

شراب نوشی

کے نقصانات

جدید سائنس کی روشنی میں

سورۃ المائدہ میں قرآن حکیم نے شراب نوشی کو ایک شیطانی فعل قرار دیا ہے۔ اور اس سے بچنے کی سختی سے ہدایت کی ہے۔ اس طرح اسلام نے الکحل کے استعمال پہ مکمل پابندی عائد کی ہے۔ اور ایک مسلمان کے لئے شراب نوشی مکمل طور پر حرام ہے۔ اسلام کے مقابلہ میں عیسائی مذہب شراب نوشی کو جائز قرار دیتا ہے۔ انجیل کے باب ۱۰۴ کی آیت ۱۵ میں مرقوم ہے۔ کہ وائن یعنی انگور کی شراب انسان کے دل کو خوش کرتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں عیسائی دنیا میں شراب نوشی کی وبا معاشرے میں ایک عذاب کی صورت اختیار کر گئی ہے۔ اور مغرب اس کے خطرناک نتائج کو دیکھ کر کانپ اٹھا ہے۔ اور تمام نسل انسانی کے لئے اس کو مہلک اور خطرناک قرار دے رہا ہے۔

جدید سائنس کی روشنی میں الکحل کے استعمال اور اس کے اثرات پر کافی ریسرچ اور تحقیق ہو چکی ہے۔ جس کے نتیجہ میں عبرت ناک نتائج برآمد ہوتے ہیں۔ امریکہ اور دیگر مغربی ممالک میں الکحل ازم یعنی شراب نوشی کو باقاعدہ ایک مرض قرار دیا گیا ہے۔ اور اس مرض کے علاج کے لئے شفاخانوں میں الگ امراض شراب نوشی کے شعبے قائم کئے گئے ہیں۔ محکمہ صحت عامہ کی رپورٹ کے مطابق امریکہ میں امراض قلب اور سرطان کے بعد سب سے بڑا مرض الکحل ازم ALCOHOLISM ہے۔ جس میں چودہ سال کے بچوں سے لیکر اسی سال تک کی عمر کے لوگ مبتلا ہیں۔

میڈیکل سائنس کی جدید ترین تحقیقات کے مطابق شراب نوشی سے سب سے پہلے جگر متاثر ہوتا ہے۔ اور جگر کی خرابی سے اموات میں دن بدن اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کے علاوہ کثرت شراب نوشی سے کئی قسم کی امراض قلب اور ساتھ ہی ساتھ دماغ کے نازک خلیئے مجروح ہو جاتے

ہیں جب ایک شخص شراب کا پہلا گلاس پیتا ہے۔ تو الکحل معدہ اور خون کی شریانوں سے گزر کر انسان کے حواس اور مرکزی اعصابی نظام یعنی سنٹرل نروس سسٹم پر حملہ آور ہوتا ہے۔ اور آہستہ آہستہ دماغ کی نازک شریانوں کو بے حس کر دیتا ہے۔ جس سے شرابی کچھ وقت کے لئے ہر قسم کے تفکرات اور پریشانیوں سے اپنے آپ کو آزاد تصور کرتا ہے۔ اس کے بعد جب وہ دوسرا تیسرا یا چوتھا گلاس چڑھاتا ہے۔ تو دماغ کے توانائی پیدا کرنے اور شعور و حواس برقرار رکھنے والے تمام مراکز اس طرح متاثر ہوتے ہیں۔ نتیجہ میں شرابی ہاتھ پیر چلانے لگتا ہے۔ اور الم غلم بکنے لگتا ہے۔ اور عقل و حواس کھو بیٹھتا ہے۔ بعض کمزور اور نازک طبع لوگ صرف ایک جام پینے کے بعد ہی حواس کھو بیٹھتے ہیں۔ اس طرح عادی شرابیوں کے خون کا الکحل باقاعدہ ایک حصہ بن جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں جتنی بھی مختلف اقسام کی شرابیں نوش کی جاتی ہیں۔ مثلاً بیئر، وائن، وسکی اور برانڈی وغیرہ ان میں نشہ آور الکحل کی کافی مقدار موجود ہوتی ہے۔ جو خون کا جزو بن کر طرح طرح کے امراض پیدا کرتی ہے۔ شرابی مریض دردِ سر، متلی، خفقان، مستقل تھکاوٹ، نامردی جگر و معدہ کی خرابی کی شکایات محسوس کرنے لگتا ہے۔ مریض کی عمر تقریباً پندرہ سال تک گھٹ جاتی ہے۔ کیلیفورنیا یونیورسٹی کی حالیہ ریسرچ کے مطابق شراب نوشی کا سب سے خطرناک پہلو یہ دریافت کیا گیا ہے۔ کہ شراب انسانی ذہن کے خلیات کی اس طاقت کو سلب کر لیتی ہے۔ جس سے پروٹین بنتی ہے۔ اور علم و عقل اور یادداشت جمع کرنے والے تیزابی عرقیات پیدا ہوتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی ساتھ شرابی ایک مکمل نفسیاتی مریض بن جاتا ہے۔ اس میں ذمہ داری کا احساس بہت کم ہو جاتا ہے۔ جھوٹے وعدے اور بے وفائی کرنا عادت بن جاتی ہے۔ مزاج اشتعال انگیز اور جذباتی ہو جاتا ہے۔ جرائم کی طرف طبیعت کا رجحان زیادہ ہو جاتا ہے۔

ایک اندازے کے مطابق امریکہ میں پچاس فیصد سے بھی زیادہ قتل کے جرائم صرف شراب کی وجہ سے واقع ہوتے ہیں۔ یا تو قاتل عادی شرابی ہوتا ہے۔ یا مقتول یا دونوں۔ خودکشی کے جتنے واقعات ہوتے ہیں۔ اس میں شراب کا کچھ نہ کچھ ضرور دخل ہوتا ہے۔ امریکہ میں ہر سال تقریباً دس لاکھ موٹر گاڑیوں کے حادثات ہوتے ہیں۔ اس میں کم از کم نصف حادثات کے ذمہ دار صرف شرابی ڈرائیور اور پیدل چلنے والے مدہوش شرابی ہوتے ہیں۔ اگر امریکہ میں صرف شراب پینا بند ہو جائے تو حادثات دو تہائی کم ہو جائیں۔ اور لاکھوں افراد لولے لنگڑے ہونے اور موت کی آغوش میں جانے سے بچ جائیں۔ دوسری عبرتناک بات امریکی معاشرہ میں یہ ہے کہ ہر آٹھ طلاقوں میں سات طلاقیں صرف

شراب کی بناء پر ہوتی ہیں ۔ اور لاکھوں گھر یہ شراب اجاڑ چکی ہے جس کا شکار سب سے پہلے ان مطلقہ جوڑوں کے معصوم بچے ہوتے ہیں ۔ سوویٹ یونین یعنی روس کی اشتراکی سوسائٹی میں بھی شراب کی لعنت اپنے پورے خبائث کے ساتھ موجود ہے ۔ اور روس کی مشہور شراب　　جرائم کی بنیادی وجہ قرار دی گئی ہے ۔ بدقسمتی سے ہمارے عزیز ملک پاکستان میں بھی شراب کا استعمال روز بروز ترقی پر ہے جو ہمارے مفلس اور غریب معاشرے اور آئندہ نسلوں کے لئے ایک عظیم خطرے کا پیش خیمہ ہے ۔

ایک ملک جو اسلامی مملکت ہونے کا دعویٰ دار ہو ، کیا یہ قوم کا فرض نہیں ہو جاتا ۔ کہ وہ اس ام الخبائث شراب کو پاکستان سے مکمل طور پر ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ختم کر دے ۔ اور اپنی آئندہ نسلوں کو ایک جہنمی معاشرے میں گرنے سے بچائے ۔ ؟

آئینۂ ملتان

از منشی عبدالرحمٰن خان ـــــ ملتان کی تاریخی عظمتوں اور رفعتوں کے اس لاثانی مرقع میں ملتان کے روزِ اوّل سے لیکر ۱۹۷۲ء تک کے تاریخی ، سیاسی ، تمدنی ، معاشرتی ، ثقافتی ، علمی ، ادبی ، دینی ، رفاہی ، تجارتی اور زراعتی حالات نہایت جامعیت کیساتھ سموئے گئے ہیں کتاب قابلِ دید ہی نہیں قابلِ داد بھی ہے ۔ ملتان کے متعلق اس سے زیادہ معلومات کسی اور کتاب میں ملنا ممکن نہیں ۔ حجم ۷۰۴ صفحات ، آفسٹ کی دیدہ زیب طباعت ، قیمت ۲۱/- روپے ۔ محصول ڈاک علاوہ

عالمی ادارہ اشاعتِ علومِ اسلامیہ ۔ چہلیک ۔ ملتان

عبادات و عبدیت

از شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مدظلہٗ ۔ تقاریر و خطبات کا تازہ مجموعہ بندگی اور اس کے آداب ، حکمتیں ، اعمال صالح کی برکات ، اللہ کی عظمت و محبوبیت پیدا کرنے والی کتاب جس پر ترجمانِ اسلام ، خدام الدین ، کتاب ، الزارہ مدینہ الاعتصام لاہور اور دیگر اخبارات و رسائل نے شاندار تبصرے کئے ۔　قیمت ۲/- روپے

قرآن حکیم اور تعمیرِ اخلاق

تعمیرِ اخلاق ، اصلاح معاشرہ ، عبادات کا اخلاقی پہلو ، افراط و تفریط سے پاک معتدلانہ نظام کا عیسائیت ، یہودیت اور دیگر مذاہب سے موازنہ ۔ ایڈیٹر الحق کے قلم سے ۔　قیمت ۲/۵۰ روپے

مکتبۂ الحق ـــ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک ضلع پشاور

دارالعلوم حقانیہ کا ایک قابلِ فخر فرزند

مجاھد ختم نبوت ، شہید اسلام

مولانا شمس الدین شہیدؒ

مولانا شہیدؒ کے عم زاد بھائی
سید محمد داؤد شاہ
متعلم دارالعلوم حقانیہ
کے قلم سے

پیدائش | ۱۹۴۵ء کو فخر نوجوانان مجاہد ختم نبوت کے والد محترم حضرت مولانا الحاج سید محمد زاہد صاحب مدظلہٗ کو اللہ تعالیٰ نے ایک ایسے فرزند سے نوازا جسکی شہادت پر آج تمام مسلمان خون کے آنسو بہا رہے ہیں۔ آپ ضلع ژوب صوبہ بلوچستان کے ایک معزز سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کی ولادت ضلع کے مرکزی شہر فورٹ سنڈیمن میں ہوئی۔

تعلیم و تربیت | ابتدائی تعلیم آپ نے اسی شہر میں پائی اور اپنے والد صاحب کے زیر سایہ بہترین تربیت پائی۔ ۱۹۶۳ء کو گورنمنٹ ہائی سکول فورٹ سنڈیمن سے اعلیٰ نمبروں میں میٹرک کیا اور حصول دینی تعلیم کی غرض سے دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک میں داخلہ لیا۔ جو بلوچستان کے علماء طلباء اور دیگر مسلمانوں کی نگاہ میں سب سے بڑا دارالعلوم ہے۔ یہاں پر ابتدائی کتابیں شروع کیں اور انہیں شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب مدظلہٗ جیسے علماء دین کی صحبت کا شرف حاصل ہوا۔ یہاں دو سال گذارنے کے بعد مدرسہ نیو ٹاؤن کراچی تشریف لے گئے اور وہاں مزید تعلیم حاصل کی۔ اسی دوران جمعیت الطلباء اسلام کے اکثر اجلاسوں میں شرکت کرتے رہے۔ اور اس کے پروگراموں پر عمل پیرا رہے تقریباً دو سال کا عرصہ وہاں گزارنے کے بعد مدرسہ مخزن العلوم خانپور تشریف لائے۔ اور امیر جمعیت حضرت مولانا محمد عبداللہ درخواستی صاحب مدظلہٗ کے زیر سرپرستی ایک سال کا عرصہ گزارا۔ اس کے بعد مدرسہ نصرت العلوم گوجرانوالہ چلے آئے۔ اور تعلیم پائی۔

تعلیم سے فراغت | گوجرانوالہ میں دورہ حدیث کرکے سند فراغ حاصل کیا۔ ترجمہ قرآن پاک امیر جمعیت سے خانپور میں کیا۔ اور سند دورہ تفسیر یہاں سے حاصل کی۔ مولانا صاحب ان سے بے لوث پیار محبت و شفقت کرتے تھے۔ اور مولانا شہیدؒ انکی بہت زیادہ خدمت کرتے تھے۔ ایک دفعہ

جب مولانا صاحب ہسپتال میں زیرِ علاج تھے، تو آپ ہی تین ماہ تک انکی خدمت کرتے رہے۔ اور انہوں نے ہدایت کر رکھی تھی۔ کہ مولانا شمس الدینؒ کے علاوہ میرے پاس خدمت کیلئے کوئی نہ آئے۔ محبت کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔ کہ جب شہیدِ ختمِ نبوت، ختمِ نبوت کی تحریک میں قید و بند کی صعوبتیں میونڈ کے پہاڑوں میں برداشت کر رہے تھے اور درخواستی صاحب فورٹ سنڈیمن تشریف لاتے تو انہوں نے ان کی والدہ کو کہلوا بھیجا کہ "مجھے اسی دسترخوان میں روٹی، اس گلاس میں پانی، اس پلیٹ میں ترکاری، غرض ان کے برتنوں میں وہی کھانا جو مولاناؒ زیادہ پسند فرماتے اور کھاتے تھے بھیجے۔" علاوہ ازیں انہوں نے حضرت درخواستی صاحب سے بیعت بھی کر لی تھی۔

انتخابات میں حصہ | تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ایک سال تک جمعیت کے پروگراموں سے روشناس ہوتے رہے۔ چونکہ ان کی طبیعت شروع ہی سے جماعتی جدوجہد کی طرف مائل تھی۔ اس لئے جب ۱۹۷۰ء میں انتخابات کا اعلان ہوا، تو آپکی سرگرمی اور زیادہ بڑھی۔ دورانِ انتخابات جب ایک دفعہ فورٹ سنڈیمن میں جماعت اسلامی کی طرف سے جلسہ منعقد ہوا تو آپ نے اس میں شانِ صحابہؓ زندہ باد جیسے نعرے لگائے۔ اور جلسہ بری طرح ناکام ہوا۔ بہرحال آپ کو صوبائی اسمبلی کے لئے جمعیت کا ٹکٹ ملا اور انہوں نے انتخابی مہم میں پوری سرگرمی سے حصہ لیا۔ ان کے مخالف کئی امیدواروں نے انہیں مقابلے سے دست بردار ہونے کیلئے قتل کی دھمکیاں دیں لیکن آپ نے جواب دیا۔ کہ جب تک مجھے امیرِ جمعیت دست بردار ہونے کیلئے نہیں کہے گا، میں الیکشن لڑوں گا، چاہے اس میں میری جان و مال کیوں نہ جائے۔ اس طرح انہوں نے ثابت کر دیا کہ علماءِ حق صرف زبانی نہیں بلکہ باطل کے مقابلے کیلئے عملی طور پر تیار ہیں۔ غرض ۱۹۷۰ء کے عام انتخابات میں شہیدؒ نے مخالفین کو شکست فاش دی اور صوبائی اسمبلی کی نشست جیت لی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پوشیدہ جوہر دکھانے اور اسلام کی خدمت کرنے کا ایک سنہری موقعہ عطا فرمایا۔ اب آپ علماءِ حق کی آنکھوں کی ٹھنڈک اور مخالفین کی آنکھوں کے خار بنے۔

اہم کارنامہ | اس دوران ان کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے۔ کہ جب سبی میلہ (جو کہ نوابوں اور سرداروں کی ایک میٹنگ ہوتی ہے) گورنر ریاض حسین (جو کہ اس وقت بلوچستان کے فوجی گورنر تھے) کے زیرِ صدارت لگا۔ تو آپ نے بھی اس میں شرکت کی اور جب نماز کا وقت ہوا۔ تو آپ نے کھڑے ہو کر اذان دی۔ یہ دیکھ کر گورنر نے کہا کیا یہ آدمی دیوانہ ہو گیا ہے۔؟ بعد میں انہیں بتایا کہ یہ بلوچستان اسمبلی کا منتخب ممبر ہے۔ اور اذان دے رہا ہے۔ اس کے بعد مولانا مرحومؒ گورنر کے پاس آئے اور کہا۔ کہ اسلامی تعلیمات کے پیشِ نظر امامت کے فرائض آپ ہی انجام دیں گے۔ اس نے جواب دیا کہ مولانا صاحب

مجھے اپنی نماز نہیں آتی ؛ اور آپ امامت کروا رہے ہیں۔ انگریزوں کے زمانے سے جب سے یہ جرگہ شروع ہوا ہے۔ اس میں یہ پہلی اذان اور باجماعت نماز تھی۔

فریضہ حج | اس دوران اللہ تبارک تعالیٰ نے انہیں اپنے گھر کی زیارت کرنے کی توفیق بھی عطا فرمائی

ڈپٹی سپیکر اور امیر کا انتخاب | نیپ جمعیت کی مخلوط حکومت بننے پر آپ بلوچستان اسمبلی کے بلا مقابلہ اور متفقہ طور پر ڈپٹی سپیکر منتخب ہوئے ، بعد میں جمعیت کی تنظیم نو ہونے پر صوبائی امیر منتخب ہوئے ، اور مرکزی مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے۔ فرائض کی کثرت کے باوجود آپ کی فرض شناسی کی وجہ سے جمعیت نے ان کی قیادت میں کافی ترقی کی۔

تحریک ختم نبوت | ۱۳ر جولائی ۱۹۷۴ء کو فورٹ سنڈیمن شہر میں پتہ چلا کہ مرزائیوں نے یہاں پہ قرآن پاک کے تین ہزار تحریف شدہ نسخے تقسیم کئے ہیں۔ مجاہد ختم نبوتؒ نے اسے سی فورٹ سنڈیمن سے رابطہ قائم کیا کہ رات کو چھاپہ مار کر تمام نسخے قبضہ میں لے لو اور مرزائیوں کو چوبیس گھنٹوں کے اندر اندر ضلع بدر کر دو ــــ دوسری صبح یعنی ۱۴ر جولائی کو شہر میں ایک جلسہ عام منعقد ہوا جس میں مختلف قرار دادوں کے ذریعہ حکومت کے سامنے مذکورہ دو مطالبے پیش کئے گئے۔ بعد میں مطالبے پولیٹکل ایجنٹ کے سامنے پیش کرنے کیلئے لوگ جلوس کی شکل میں روانہ ہوئے راستے میں ایک بھائی مذہب والے کو (جوکہ ایرانی تھا اس کی دکان کھلی تھی ، حالانکہ اسے سمجھایا بھی گیا تھا کہ وہ دکان بند کر دے جبکہ پورا شہر بند ہے۔) اپنی دکان میں نامعلوم افراد نے ہلاک کر دیا۔ پولیٹکل ایجنٹ نے مطالبے پورے کرنے کا وعدہ کیا بعد میں اس دن نو افراد کے وارنٹ گرفتاری جاری ہوئے ، جس پہ لوگ مشتعل ہوئے اور چھتیس ۳۶ افراد نے رضاکارانہ طور پہ اپنے آپ کو گرفتاری کے لئے پیش کیا ان میں مولانا شہیدؒ سرفہرست تھے۔ بعد میں مولانا صاحب کو دھوکہ دے کر باہر بلایا گیا۔ اور پھر واپس تھانے جانے نہ دیا۔

قیدیوں کی منتقلی | دو دن تک قیدیوں کو وہاں رکھنے کے بعد جب حکومت انہیں کسی دوسری جگہ منتقل کر رہی تھی ، تو تھانے سے دو سو گز ارد گرد کا علاقہ ممنوعہ قرار دیا۔ اور بورڈ لگایا گیا کہ ممنوعہ علاقہ میں داخل ہونے والے کیلئے گولی کے سوا کچھ نہیں ۔ لیکن یہ مرد مجاہد موٹر میں چند اور افراد کے ہمراہ بورڈ پار کر کے اندر گئے۔ اور پوچھا کہ وہ قیدیوں کو کہاں لے جا رہے ہیں جب ڈی۔ آئی۔ جی نے ان سے کہا کہ وہ کیوں ممنوعہ علاقے میں اندر آئے ہیں۔ اور پولیس کو حکم دیا کہ وہ مولانا کو موٹر سمیت گرفتار کریں۔ جب پولیس نے گھیرا ڈالا تو آپ نے پستول نکال کر دی۔ آئی۔ جی کو نشانہ بنانا چاہا۔ لیکن وہ بھاگ کر تھانے میں گھس گیا۔ اور آپ پولیس کے گھیرے کو چیرتے ہوئے باہر آئے۔ اور جب قیدیوں کو فوج کی پانچ گاڑیوں

کی حفاظت میں شہر سے ! ہرنوئی روڈ پہ روانہ کیا گیا۔ تو جیسا کہ ذیل میں ذکر ہے۔ کہ سڑکوں کی ناکہ بندی ہو چکی تھی۔ تو مولانا مرحومؒ نے چار اور حضرات کے ہمراہ ان کا پیچھا کیا۔ کہ لوگوں سے انہیں راستہ کھلوا دیں۔ لیکن فوج نے مولانا کو آگے جانے نہ دیا۔ اور جب انہوں نے آگے جانے کی کوشش کی تو کئی دفعہ فوج کو ان کی موٹر کے ٹائروں پر فائر کرنے کا حکم ہوا۔ لیکن موٹر چھوٹی ہونے اور ٹائر دکھائی نہ دینے کی وجہ سے وہ ان پہ فائر نہ کرسکی۔

گرفتاری | اسی رات یعنی ۷ ار جولائی کو انہیں گھر سے گرفتار کرلیا گیا۔ اور ایک راستے سے ان سے باہر کہیں لے جانے کی کوشش کی گئی۔ لیکن راستے کے غیور عوام نے انہیں اس منصوبے میں ناکام کرکے چھوڑا، بعد میں انہیں ہیلی کاپٹر کے ذریعہ لے جایا گیا۔ اور حبس بے جا میں رکھا اور حکومت ان کی گرفتاری سے مسلسل انکار کرتی رہی ——— ادھر شہر میں تحریک ختم نبوت نے بہت زور پکڑا۔ آخر حکومت نے مجبور ہوکر مرزائیوں کو ضلع بدر کردیا۔ اور یہ پاک مٹی مرزائیوں کے پلید قدموں سے نجات پاگئی۔ یہاں کے عوام نے ختم نبوت کی تحریک میں گرفتار ہونے والے قیدیوں کی رہائی کیلئے ایک ماہ اور پانچ دن کی زبردست تحریک چلائی، جسمیں تمام سڑکوں کی ناکہ بندی، شہر پہ اپنا پورا قبضہ، ٹریفک کی معطلی ایک سو باون گھنٹوں کی پانچ پانچ مجاہدوں کی بھوک ہڑتال جس میں بہتر گھنٹوں کی بھوک ہڑتال بھی شامل تھی۔ متواتر ایک ہفتے کی مکمل مثالی ہڑتال خاص طور پہ قابل ذکر ہے جسکی مثال تاریخ میں بہت کم ہی ملے گی۔ آخر کار شہر کے پندرہ معزز اور جید علماء کرام معتبرین شہر اور طلباء نے اڑتالیس گھنٹوں کی بھوک ہڑتال کی اور یہی اثر انداز ثابت ہوئی۔

قومی اسمبلی میں تحریک التواء | اسمبلی میں قائد جمعیت مولانا مفتی محمود نے تحریک پیش کی کہ کم از کم مجاہد کی لاش تو ورثاء کے حوالے کی جائے۔ لیکن وہاں انہیں تسلی دی گئی کہ وہ میوند میں محفوظ اور زندہ ہیں۔

داخلی رٹ | اس کے بعد ہائی کورٹ میں رٹ داخل کی گئی۔ دوسرے دن اس کی سماعت ہوئی حکومت تمام منصوبوں میں ناکام ہوکر پریشان ہوگئی۔

رہائی | تمام منصوبوں میں ناکامی کے بعد حکومت نے مولاناؒ کو ایک ماہ گمنامی میں قید رکھنے کے ۱۸ ار اگست کو کوئٹہ کے ہوائی اڈے پر اتارا اور کہا کہ آپ آزاد ہیں۔

قید میں حالات | ان کا کہنا تھا۔ کہ جب مجھے ہیلی کاپٹر کے ذریعے میوند پہنچایا گیا تو فوج جسکی تعداد آٹھ سو تھی کے محاصرے میں رکھا۔

تبلیغ | حقیقت ہے کہ اگر انسان چاہے۔ تو ہر جگہ دین کی تبلیغ ہوسکتی ہے۔ ان کا کہنا تھا۔ کہ

مجھ پر پہلے چار دن تک فوج کے آٹھ افراد کا ایک دستہ تعینات رہا۔ میں انہیں ہمیشہ تبلیغ کرتا۔ اور مظالم کے مختلف واقعات سناتا جس سے فوجی ہمیشہ رو پڑتے۔ جب حکومت کو علم ہوا۔ تو پھر روزانہ نیا گارڈ ہے آتی۔ لیکن میں نے پھر بھی تبلیغ کا سلسلہ بند نہ کیا۔ تو ایک دن فوج کے دستے نے مجھ سے کہا کہ آپ جو کچھ کرنا چاہیں۔ کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ مزید یہ کہ جب ۱۴ اگست یعنی یوم پاکستان آیا۔ تو ایک آفیسر نے مجھ سے کہا کہ آج یوم پاکستان ہے۔ آپ پاکستان کی سلامتی کیلئے دعا کریں۔ میں نے کہا کہ اس قریبی گاؤں میں فوج سمیت چلے جائیں گے اور وہاں عوام سمیت مسجد میں دعائیں مانگیں گے۔ تو جب مسجد گئے۔ میں نے منبر پر بیٹھ کر تقریر شروع کی تو موجودہ حالات کی حقیقت واضح کر کے رکھ دی۔ اور خاص کر اپنی گرفتاری کے واقعات سنائے تو فوج اور عوام رونے لگے۔

پیشکش | ان کا کہنا تھا کہ مجھے وہاں پر گورنر اور وزیر اعلیٰ کیطرف سے مختلف پیغامات کے ذریعہ وزارت اعلیٰ، منہ مانگی مال و دولت اور عہدہ قبول کرنے کے بعد جو کچھ مرضی ہو۔ کرنے کی پیشکش کی گئی۔ لیکن اس مرد مجاہد نے جواب دیا کہ میں تو آج قیدی اور مجرم ہوں۔ ایک قیدی کیسے وزیر اعلیٰ بن سکتا ہے۔ یہ کہہ کر تمام پیغامات مسترد کر دئیے۔ ایک دفعہ وزیر اعلیٰ خود ان کے پاس گئے۔ لیکن انہوں نے ان کی باتوں پر کان نہ دھرا۔

پریس کانفرنس | رٹ کی سماعت سے ایک دن پہلے جب مولاناؒ رہا ہوئے۔ تو وہ عوام کے حالات معلوم کرنے کیلئے پہلے فورٹ سنڈیمن تشریف لائے۔ اور بعد میں رٹ کیلئے کراچی روانہ ہوئے وہاں پریس کانفرنس سے خطاب فرمایا اور ان تمام حالات کا پردہ چاک کر دیا۔ اور بلوچستان میں ایرانی فوج لڑنے اور ایرانی ہیلی کاپٹر استعمال ہونے کا انکشاف کیا۔ انہوں نے کہا جس ہیلی کاپٹر میں مجھے میوند سے لایا گیا۔ وہ بھی ایرانی تھا اس کا نمبر بھی بتلایا اور پائلٹ جو کہ ایرانی تھا، کا نام بھی بتلایا۔

دلی خواہش | مولانا شہیدؒ کی ابتداء ہی سے یہ دلی خواہش تھی کہ ان کی جان و مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہو۔ گرفتاری کے بعد یہ جذبہ بہت زیادہ ہو گیا۔ ان کا کہنا تھا کہ میوند کے پہاڑوں میں بھی وہ اکثر کا شدت سے انتظار کرتے کہ کب ان کی گردن پر چھری چلائی جائے گی۔ اس خواہش کا ذکر وہ ہر جلسے جلوس میٹنگ اور گھر میں اکثر اوقات کرتے اور اس کے لئے مولانا عبدالحمیدؒ کا قصہ دہراتے کہ جب انہیں انگریزوں نے قید کر دیا۔ تو ان کی ڈاڑھی مونڈھ لی اور بال دفن کر کے اس پر آگ جلائی آپ ایک دفعہ ہنسے اور پھر روئے، پوچھنے پر معلوم ہوا کہ ہنسے اس لئے کہ ان کی ڈاڑھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان ہوئی اور روئے اس لئے کہ ان کا سر کب قربان ہو گا۔

شہادت | آخر کار مجاہد ختم نبوت کی یہ دلی تمنا پوری ہوئی اور رجب ۱۳ر مارچ ۱۹۷۴ء کو آپ کوئٹہ سے اپنی سرکاری کار میں فورٹ سنڈیمن تشریف لا رہے تھے۔ تو ظالم کے ظلم کا نشانہ بنے۔ اور جام شہادت نوش فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اس وقت آپکی عمر انتیس سال تھی۔ مولانا شہیدؒ ایک نڈر، بیباک اور حق گو عالم دین تھے۔ انہوں نے اپنی زندگی دین کی اشاعت اور اسلام کی خدمت کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ انہوں نے اپنے حسین اخلاق اور بہترین کردار کے باعث دنیا میں علماء حق کا سر بلند کر رکھا تھا۔ آپ ختم نبوت کے پروانے اور نوجوانانِ اسلام کے قافلے کے سالار تھے۔ اس لئے انہیں مجاہد ختم نبوت اور فخر نوجوانانِ اسلام کے القاب ملے تھے۔

مولانا مرحومؒ نے اپنے پیچھے سوگوار خاندان میں ایک والد بزرگوار، ایک ماں، ایک سوتیلی ماں، پانچ چھوٹے بھائی، چار بہنیں اور ایک بیوی چھوڑی۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحومؒ کو اپنی جوارِ رحمت میں بلند درجوں سے نوازے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔ ثم۔ آمین۔

ڈاکٹر سید عبداللہ پنجاب یونیورسٹی
لاہور

کتابیات اسلام
ایک اہم علمی منصوبہ

معجم مصادر اسلامی

اسلامی موضوعات کے سلسلہ میں ایک اہم بنیادی ضرورت

پورا نام : معجم مصادر اسلامی

مختصر نام : معجم المصادر

انگریزی نام : A BIBLIOGRAPHY OF ISLAM

مقصد و موضوع | عموماً دیکھا گیا ہے کہ اسلام سے متعلق کسی موضوع کا مطالعہ و تحقیق کرنے والے طلبہ و محققین کو کام کا آغاز کرنے کے سلسلے میں بڑی پریشانی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس کا ایک سبب یہ ہوتا ہے کہ انہیں ضروری مآخذ و مصادر کا صحیح علم نہیں ہوتا۔ چنانچہ اس مقصد تک پہنچنے کے لئے انہیں بڑی جستجو کرنی پڑتی ہے اور بسا اوقات شدید کاوش کے باوجود وہ ان مصادر سے بے خبر رہتے ہیں۔ جو موضوع کے لئے ضروری ہوتے ہیں۔ کیونکہ ان سے آگاہ ہونے کا ان کے پاس کوئی ذریعہ نہیں ہوتا۔

اس کے علاوہ انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا کہ معروف مصادر کی تقابلی قدر و قیمت اور کسی مصنف کا خاص انداز نظر کیا ہے۔ اور اس کی کتاب کس مسلک کے مطابق مرتب ہوئی ہے۔ نتیجہ یہ کہ بے حد محنت کرنی پڑتی ہے۔ اس طرح تحقیق کرنے والے کا بہت سا قیمتی وقت ضائع ہو جاتا ہے۔

دنیا کی اہم زبانوں میں مختلف موضوعات پر طلبہ و محققین کی سہولت کے لئے مختلف قسم کے اشاریے، لغات حوالہ اور معجم المصادر (کتابیات) موجود ہیں، مگر اسلام کے متعلق کوئی ایسی معجم موجود نہیں جو مفید ہو۔ اور اردو میں تو (قدرتی طور پر) اس کی توقع بھی نہیں کی جا سکتی، کیونکہ یہ نسبتاً جدید اور

صحیح سرپرستی سے محروم زبان ہے۔

عرصہ ہوا میں نے جرمن زبان میں ایک کتابیات اسلام دیکھی تھی جو ایک جرمن مصنف، فان میولر (PFAN- MÜLLER) کی مرتب کردہ تھی۔ اس کتابیات کا دائرہ موضوعات محدود تھا۔ اور حوالے بھی کچھ زیادہ نہ تھے۔ اس میں زیادہ تر مغربی زبانوں میں لکھی ہوئی کتابوں کا تذکرہ بلاتبصرہ تھا۔

میں نے جب یہ کتاب یونیورسٹی لائبریری میں دیکھی تو میرے دل میں آرزو پیدا ہوئی کہ اردو میں بھی اس قسم کی کتاب مرتب ہو جائے تو یہ ایک اہم خدمت ہوگی۔ ایسی معجم کی ضرورت کے حق میں علامہ شبلیؒ بھی اپنے خیالات کہیں ظاہر کر چکے تھے۔ مجھ پہ ان کا بھی اثر تھا۔

پھر زمانہ گذرتا گیا۔۔۔ اور میں دوسرے کاموں میں مصروف ہوگیا۔ تاآنکہ قدرت مجھے اردو دائرہ معارف اسلامیہ (اردو انسائیکلو پیڈیا آف اسلام) کے ادارہ انصرام و تدوین میں لے آئی۔ اس سارے زمانے میں مجھے قدم قدم پہ محسوس ہونے لگا کہ اسلامی موضوعات پر کچھ پڑھنے یا لکھنے کے لئے مصادر کی مناسب رہنمائی موجود نہیں۔ معمولی سے معمولی مسئلے کے بارے میں ابتدائی معلومات حاصل کرنے کے لئے بنیادی مآخذ کی فہرست ایک جگہ نہیں ملتی۔

اس صورتِ حال میں میرے دل میں وہ پرانی آرزو پھر جاگ اٹھی اور میں نے ارادہ کر لیا کہ اس نوع کی ایک قاموس یا معجم کی تدوین کا آغاز کر دیا جائے۔ کیونکہ یہ اسلامی موضوعات (ISLAMICS) کے سلسلے میں ایک بنیادی ضرورت ہے۔

میں جانتا ہوں کہ ہمارے ملک میں کم ہمتی انتہا تک پہنچ چکی ہے۔۔۔ اور اگر کسی میں کچھ ہمت ہے بھی تو وہ اسلام اور اسلامی موضوعات کے بارے میں نہیں۔ اس کے باوجود میں یہ قصہ امیر حمزہ چھیڑ رہا ہوں تو اس وجہ سے کہ میں نے زندگی بھر کام کی ضرورت و اہمیت پہ نظر رکھی ہے۔ وسائل اور معقول و غیر معقول کی بحث میں کبھی نہیں پڑا۔۔۔ جس کام کی امنگ دل میں پیدا ہوتی، شروع کر دیا۔

دل اپنا عشق کے دریا میں ڈالا
توکلت علی اللہ تعالیٰ

اور اکثر میں نے دیکھا ہے کہ یہی توکل کلید کامیابی ثابت ہوا۔ اب پھر اسی توکل کو لے کر چلا ہوں اور امید رکھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ ایک مرتبہ پھر کامیاب و بامراد کریں گے۔

۲۔ یہ معجم مندرجہ ذیل مطالب پہ مشتمل ہوگی:

۱۔ تصورات و نظریات | ۱۔ دینی۔ ۲۔ فقہی۔ ۳۔ قانونی۔ ۴۔ اخلاقی۔ ۵۔ صوفیانہ۔

۶۔ علمی و حکمی۔ ۷۔ فنی وغیرہ۔

ب۔ شخصیات | ۱۔ دینی (انبیائے سابق، آنحضرتؐ، خلفائے راشدینؓ، نامور صحابہ و تابعین) ۲۔ فقہائے کبار۔ ۳۔ چیدہ محدثین۔ ۴۔ چیدہ مفسرین۔ ۵۔ حکمائے نامور۔ ۶۔ صوفیہ کبار۔ ۷۔ نامور سپہ سالار، وزراء اور مدبرین۔ ۸۔ سیاسی، نیم سیاسی اور غیر سیاسی تحریکوں کے علمبردار۔ ۹۔ موجد، فنی اہل کمال اور نامور شعراء و ادبا۔ ۱۰۔ افسانوی شخصیتیں۔ ۱۱۔ متفرق۔

ج۔ تحریکات و مسالک | ۱۔ دینی۔ ۲۔ سیاسی۔ ۳۔ علمی۔ ۴۔ صوفیانہ۔

د۔ دینِ اسلام | ۱۔ عقائد۔ ۲۔ عبادات۔ ۳۔ حقانیت اسلام۔ ۴۔ برکاتِ اسلام۔ ۵۔ اسلام غیر کی نظر میں۔ ۶۔ اسلام مستقبل کا مذہب، ازلی ابدی۔ ۷۔ اسلام اور علم۔ ۸۔ اسلام اور سائنس۔ ۹۔ اسلام اور تہذیب انسانی۔ ۱۰۔ قرآن۔ ۱۱۔ حدیث۔ ۱۲۔ فقہ و کلام۔ ۱۳۔ تصوف وغیرہ۔

ھ۔ تاریخ و تہذیب | ۱۔ بڑے بڑے خاندان اور قبیلے۔ ۲۔ بڑے بڑے تہذیبی کارنامے مدارس وغیرہ۔ ۳۔ ادارت، نظامات، تدابیر، تنظیمات ملکی و معاشرتی۔

و۔ علوم و ادبیات والسنہ

ز۔ فنون و صناعات و تفریحات

ح۔ جغرافیہ۔

۱۔ قرآنی جغرافیہ۔ ۲۔ اسلامی تاریخ کا جغرافیہ (عرب و حجاز سے اقصائے عالم تک) بڑے بڑے شہر جن کی ترقی خصوصی طور سے دور اسلامی میں ہوئی۔ عالم اسلام: آبادی، اقوام و انساب۔

بظاہر اندازہ ہے کہ یہ سارا مواد آٹھ مستقل جلدوں کا متقاضی ہوگا۔ لیکن یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ عملی تشکیل میں جلدوں کی تعداد اس سے کم یا زیادہ ہو جائے۔

۳۔ دائرہ کار | ۱۔ تصانیف کے حوالے ہر زبان سے لئے جائیں گے۔ اور ترتیب یہ ہوگی: اردو، عربی، فارسی، انگریزی، ترکی اور دیگر مغربی و مشرقی زبانیں۔ اردو کو اس وجہ سے سب سے پہلے رکھا ہے کہ یہ منصوبہ اسلام کی خدمت کے علاوہ اردو زبان کو باثروت بنانے کے مقصد کے لئے بھی اختیار کیا گیا ہے۔ اس کا پہلا مخاطب اردو دان طبقہ ہے۔ ایک وجہ یہ بھی ہے۔ کہ اردو ہی کی کتابیں اس ملک کے کسی محقق کے لئے سہل الحصول ہوں گی۔ انگریزی کو اس لئے اہمیت دی ہے۔ کہ اس ملک میں یہ زبان بہت مقبول ہے اور اس میں اسلام سے متعلق سرمایہ بھی خاصا ہے۔ مگر یہ واضح ہے کہ وسیع تر ریسرچ کے لئے عربی تصانیف سب سے کارآمد زیادہ ثابت ہوں گی۔ باقی زبانیں

درجہ بدرجہ مفید ہوں گی۔

۲۔ کتابوں کے علاوہ اہم علمی رسائل سے بھی استفادہ کیا جائے گا۔

۳۔ ہر کتاب یا مضمون کے حوالے کے ساتھ مجملاً یہ بھی اردو میں لکھا جائے گا۔ کہ مقالہ نگار یا مصنف کا انداز فکر کیا ہے۔ اس تنقید سے یہ فائدہ ہوگا کہ مطالعہ کرنے والے محقق کی رہنمائی ہو جاتے گی۔ ظاہر ہے کہ یہ کام بہت مشکل ہے۔ اس لئے اس پر خاصا وقت صرف ہوگا۔ لیکن معنوی لحاظ سے یہ کوشش بڑی قیمتی ثابت ہوگی۔

۴۔ انداز تدوین یہ ہوگا:

۱۔ ترتیب بلحاظ حروف تہجی۔ ۲۔ بنیادی لفظ جلی حروف میں۔ ۳۔ اسکی مختصر ترین تشریح۔

۴۔ اس کے بعد اس بنیادی لفظ سے متعلق اگر کوئی ذیلی مباحث ہوں گے تو ان کے عنوان قائم کرکے ان کے ذیل میں حوالے درج ہوتے جائیں گے۔ جن کے ساتھ اردو میں مختصر تبصرے بھی ہوں گے۔

۵۔ اندراج کا طریقہ یہ ہوگا:

سب سے پہلے مصنف کا نام، پھر کتاب یا رسالے کا نام، پھر ایڈیشن یا سال اشاعت، پھر جلد کا عدد، پھر صفحہ۔ اس کے بعد قوسین میں مختصر ترین تبصرہ کتابیں زیادہ ہوئیں تو نمبر شمار ۱، ۲، ۳ وغیرہ قلمی کتابوں کی صورت میں اس کتاب خانے کا نام بھی درج ہوگا۔ جس میں کوئی کتاب محفوظ ہے۔

(نمونہ اندراج الگ شائع کیا جارہا ہے)

۶۔ طریق کار اور لائحہ عمل:

۱۔ سب سے پہلے تصورات (concepts) سے متعلق جلد مدنظر رہے گی۔

۲۔ فہرست عنوانات مرتب کی جارہی ہے۔ (عمومی مآخذ کی بھی ایک فہرست مرتب ہو رہی ہے۔

۳۔ اس کے بعد عملہ معاونین مقرر ہو کر کارڈ نویسی شروع ہوگی۔ کارڈوں کو بعد میں بلحاظ حروف تہجی مرتب کر لیا جائے گا۔

اگر ضرورت محسوس ہوئی تو بعد میں ایک اور تعارف نامہ شائع کر دیا جائے گا جس میں نظام ادارت کا بھی ذکر ہوگا۔ موجودہ خاکہ عارضی و تجویزی ہے۔ جب باقاعدہ مجلس ادارت کا قیام عمل میں آئے گا تو اس خاکے اور طریق کار میں ردّ و بدل ممکن ہے۔ ایک اہم گزارش یہ ہے کہ دوسرے ملکوں میں علمی منصوبوں کو قومی مہم کا درجہ دیا جاتا ہے۔ یعنی ان کے انصرام و تکمیل میں ہر ذی استطاعت شخص (مالی اور علمی حد تک) شریک ہو جاتا ہے۔ یہاں بھی تمام اہل علم سے درخواست کی جائیگی کہ وہ کتابیات اسلام کے سلسلے میں اپنے اپنے مطالعات کے دائرے میں تصانیف، مصنفین اور موضوعات کے بارے میں ہمیں اطلاع دیکر علمی تعاون کریں۔ اس طرح یہ مہم قومی حیثیت اختیار کر جائیگی اور اس کی تکمیل نسبتاً آسان ہو جائے گی۔ ٭٭٭

جذبۂ تحقیق

اور

اس کے نتائج

مولانا سید عبدالشکور ترمذی
ـــــ ساہیوال ـــــ

قسط ۲

گذشتہ سے پیوستہ

ان وجوہ ترجیح کے ہوتے ہوئے مولانا کا اس تفسیر کو بیان القرآن کی صریح غلطیوں میں شمار کرنا یقیناً ان کی صریح بے انصافی میں شمار کرنے کے قابل ہے۔

مولانا کے شبہات کا جائزہ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے ان شبہات کا بھی جائزہ لیا جائے جن کو انہوں نے اس تفسیر کے خلاف پیش کیا ہے۔ جسکو عام طور پر مفسرین نے اختیار کر لیا ہے اور حدیث مرفوع سے اس کی تائید ہو رہی ہے۔

مولانا نے لکھا ہے: "یہاں عَنْ کے معنی متعین کرنے میں غلط فہمی ہوئی ہے۔ یوں تو عام طور پر یہ حرف بعد و مجاوزت کیلئے آتا ہے۔ اور اس اعتبار سے یہ معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں کہ مجھے یادِ الٰہی سے بعد یا غفلت ہو گئی، مگر یہی حرف شاذ جگہ "ل" لام کے معنی میں بھی آیا ہے۔ اور یہاں عن بمعنی لام ہے۔ یعنی عن ذکر ربی بمعنی لذکر ربی ہے۔

اب اس کے یہ معنی ہوں گے کہ مال سے جو محبت کرتا ہوں وہ بھی یادِ الٰہی کیلئے ہے۔ (البلاغ صـ۳۴)

اس کے بعد لکھا ہے: چنانچہ وہ (گھوڑے نامی) لائے گئے تو اظہار پسندیدگی کے لئے ان کی

گردنوں اور ٹانگوں پر محبت سے ہاتھ پھیرنے لگے۔ (البلاغ ص۳۵)

اوّل تو مولانا کی نقل کردہ اس عبارت سے ہی واضح ہے کہ حرف عَنْ کے عام معنی بعد و مجاوزت کے ہیں۔ اور اس اعتبار سے یہ معنی بھی صحیح ہو سکتے ہیں کہ: "مجھے یاد الٰہی سے بعد یا غفلت ہو گئی" جسکو بیان القرآن میں اختیار کیا گیا ہے۔ تو پھر اس کو مولانا کا صریح غلطیوں میں شمار کرنا کیا ان کی زبردستی نہیں ہے۔؟ دوسرے یہ کہ جب بیان القرآن کی تفسیر عَنْ کے عام طور پر استعمال ہونیوالے معنی پر مبنی ہے۔ اور اس معنی کے اعتبار سے وہ صحیح ہو سکتی ہے۔ اور عَنْ کے دوسرے معنی جس پر وہ اپنی تفسیر کی بنیاد رکھ رہے ہیں، شاذ ہیں۔ تو پھر تعجب ہے کہ مولانا شاذ معنی پر مبنی تفسیر کو تو صحیح کہتے ہیں۔ اور اس کے بالمقابل معروف معنی پر مبنی تفسیر کو صریح غلط قرار دے رہے ہیں۔

کیا شاذ معنی کے خلاف معروف معنی پر مبنی تفسیر کو صریح غلط قرار دینا بھی تحقیق جدید کا کوئی اصول ہے۔؟

پہلا قرینہ | مولانا لکھتے ہیں: "اس تفسیر کی صحت پر پہلا قرینہ تو قرآن کریم کی یہ آیت ہے:
نعم العبد انه اوّاب (یعنی سلیمانؑ بہترین بندہ تھے جو ہر وقت اللہ کی طرف متوجہ رہتے تھے۔) بھلا غور تو کیجیے کہ جو شخص اس لئے بہترین بندہ ہو کہ وہ خدا کی طرف ہمیشہ متوجہ رہتا ہو وہ کیوں کر مال کی محبت میں خدا سے غافل ہو سکتا ہے۔ (البلاغ ص۳۵)

اوّاب کے معنی ہیں، اللہ کی طرف رجوع کرنے والا، مولانا نے اس کے معنی یہ سمجھ لئے کہ یہ رجوع الی اللہ کبھی کبھی غفلت اور ذھول سے بھی مانع ہے۔ حالانکہ اس لفظ میں ہی اس بات کیطرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ کہ اگر کسی وقت معمولی غفلت اور ذھول کا صدور ہوا بھی ہو تو فوراً انابت اور رجوع فرما کر اس کا تدارک فرما لیا ہے۔

دوسرے یہ کہ جہادی گھوڑوں کی محبت کو توجہ الی اللہ کے خلاف سمجھنا ہی درست نہیں، کیونکہ جہاد اور آلات جہاد میں اشتغال اور مصروفیت خود توجہ الی اللہ ہی کی ایک شکل ہے۔ اور یہ بھی محبت للہ ہی کی ایک فرد ہے۔ مگر یہ توجہ الی اللہ چونکہ بالواسطہ تھی اور اس وقت کے وظیفہ میں جس سے ذھول ہو گیا، بلاواسطہ توجہ الی اللہ حاصل تھی، اس فرق کی بناء پر حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے بلند و بالا منصب اور شان رفیع کے لحاظ سے اس کو احببت حب الخیر عن ذکر ربی۔ سے تعبیر فرمایا اور اس کا تدارک اس طرح فرمایا کہ ایسی چیز ہی کو اللہ کی راہ میں قربان فرما دیا جو وقت خاص میں بلاواسطہ توجہ الی اللہ میں مخل ہو گئی تھی۔ اور گھوڑوں کے ذبح اور قربان کرنے کا حکم فرما دیا۔

اعتراض | مولانا نے لکھا ہے کہ : پہلی تفسیر پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ خطا تو ان سے سرزد ہوئی کہ وہ یادِ الٰہی سے غافل ہو گئے اور سزا بے زبان اور بے گناہ گھوڑوں کو دی گئی۔ کہ انہیں ہلاک کیا گیا۔ (البلاغ)
یہ ذبح جو کہ قربانی اور تقرب الی اللہ کیلئے عمل میں آیا تھا، اور حضرت سلیمان علیہ السلام کی شریعت میں گھوڑوں کی قربانی جائز تھی۔ اور ہماری شریعت میں بھی گھوڑا حلال ہے۔ تقلیل آلہ جہاد کی وجہ سے اس کا ذبح کرنا ممنوع قرار دیا گیا ہے۔

مولانا کا اس کو سزا کیلئے سمجھنا اور گھوڑوں کے بے زبان اور بے گناہ ہونے کو معصومانہ انداز میں اس طرح ظاہر کرنا جیسا کہ حلال جانوروں کا ذبح کرنا ہی مولانا کے نزدیک ان کے ساتھ کوئی بڑا ہی بے رحمانہ اور ظالمانہ سلوک ہے۔ شرعی ذبیحہ پر اس قسم کا اظہار خیال غیر مسلموں یا آجکل کے منکرین قربانی کی طرف تو سنا جاتا رہا۔ مگر مولانا کی طرف سے یہ اعتراض حیران کن اور فکر انگیز ہے۔

جنایات احرام میں جانوروں کے ذبح کرنے اور اراقۃ دم کا شریعت نے جو حکم دیا ہے۔ کیا مولانا کا اس پر بھی یہی اعتراض ہوگا۔ کہ جنایت تو کی محرم نے۔ اور سزا بے زبان اور بے گناہ، جانور کو دی گئی کہ انہیں ہلاک کیا گیا۔ دراصل مولانا کا یہ خیال ہی درست نہیں ہے۔ کہ گھوڑوں کو بطور سزا کے ذبح کیا گیا تھا۔

اعتراض | مولانا نے لکھا ہے : یہ بھی اعتراض ہو سکتا ہے۔ کہ یہ گھوڑے اگر بیت المال کے تھے تو ان کا تلف کرنا وہ بھی اپنی تسکین نفس کیلئے خیانت ہوا اور اگر اپنے تھے تو یہ اسراف ہوا جو نبی تو نبی عام مومنین کیلئے بھی جائز نہیں۔ (البلاغ)

ذاتی ملکیت پر بھی مولانا کا اسراف کا سوال کھڑا کر دینا بڑا ہی تعجب خیز ہے۔ اور یہ اس غلط خیال پر مبنی ہے۔ کہ گھوڑوں کو بطور سزا کے ہلاک کر دیا گیا تھا۔ حالانکہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس عمل کو بطور تقرب الی اللہ کے اختیار فرمایا تھا۔ حجۃ الوداع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سو اونٹوں کی قربانی فرمائی تھی کیا مولانا اس کو بھی اسراف میں داخل کر دیں گے۔؟ آخر ذہن میں یہ خیال کیوں جما لیا گیا کہ قربانی کرنے سے مال ضائع ہوتا ہے۔

مولانا کا ایک اعتراض یہ بھی ہے کہ :

اعتراض | مسح کو ہاتھ صاف کرنے (یعنی ہلاک کرنے) کے معنی میں لینا محض تکلف بلکہ خلاف لغت ہے اور اس سے یہ لازم آئے گا کہ وضوء میں جو ہمیں وامسحوا برؤسکم۔ (یعنی اپنے سروں کو مسح کرو) حکم دیا گیا ہے۔ یہاں بھی یہی معنی ہوں گے کہ اپنے سر صاف کر دو یعنی کاٹ ڈالو۔ (جس سے ہمیشہ کے لئے دنیا ہی سے چھٹکارا ہو جائے۔) کیونکہ قرآن کا ایک حصہ دوسرے کی تفسیر و توضیح کرتا ہے۔ تردید نہیں کرتا۔ (البلاغ)
وامسحوا برؤسکم سے معارضہ کر کے مسح کو بمعنی قطع لینے کا رد کرنا اس وقت درست ہو سکتا

تھا۔ اگر یہ دعویٰ کیا ہوتا کہ "مسح" سے ہمیشہ اور ہر حال میں قطع کے معنی ہی مراد ہوتے ہیں، حالانکہ ایسا دعویٰ نہیں کیا گیا، اس آیت میں مسح کے جو معنی قطع کے لئے گئے ہیں، وہ اس حدیث کی وجہ سے لئے گئے ہیں جس کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

جیساکہ وامسحوا برؤسکم میں بھی مسح کے معنی سر پر بھیگا ہوا ہاتھ پھیرنے کے اس حدیث سے لئے گئے ہیں جس نے اس آیت کے اجمال کو بیان کیا ہے۔ اب یہ تو مولانا ہی بتلائیں گے کہ کیا ان کے نزدیک کسی آیت کی مراد حدیث سے متعین کرنا، محض تکلف میں داخل ہے۔؟

رہا مولانا کا یہ کہنا کہ یہ معنی خلاف لغت ہے۔ علامہ زمخشری جو عربیت میں درجہ استناد رکھتے ہیں۔ ان کی تفسیر کشاف کے حوالہ سے اوپر اس معنی کی تائید گزر چکی ہے۔ اور سلف کی ایک جماعت سے یہ معنی منقول ہیں۔ ایسی صورت میں اس کو خلاف لغت سمجھنا خود انکار لغت کے مترادف ہوگا۔

اعتراض | مولانا کا ایک اعتراض یہ بھی ہے "کہ پہلی تفسیر کی رو سے حتیٰ توارت کی ضمیر بالکل بے قاعدہ شمس کی طرف راجع ہوتی ہے، حالانکہ اس سارے واقعہ میں کہیں شمس کا ذکر نہیں ہے۔ اور بلا ذکر مرجع صرف اللہ کی طرف تو ضمیر راجع ہوتی ہے۔ کیونکہ وہ ذہن میں حاضر ہوتا ہے۔ اور کسی کی طرف نہیں۔ پھر یہاں تو علانیہ طور پر "الصّٰفنٰتُ الجیاد" مذکور ہے جس کی طرف "توارت بالحجاب" کی ضمیر راجع ہے۔ (البلاغ)

ضمیر کے راجع کرنے کیلئے اتنا کافی ہے کہ مرجع پر کوئی دلیل قائم ہو۔ جیساکہ کشاف کی مذکورہ عبارت میں تصریح کی گئی ہے۔ لابد للمضمر من جری ذکر او دلیل ذکر۔ (کشاف ص ۳۷۵ ج ۳)

اس آیت میں شمس کا ذکر اگرچہ صراحۃً ضمیر سے مقدم نہیں ہے۔ مگر دلیل ذکر، عشی، کا ذکر موجود ہے۔ اور یہی اس کی دلیل ہے کہ، توارت، کی ضمیر کا شمس کی طرف راجع ہونا بغیر ذکر مرجع اور بے قاعدہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس اس ضمیر کو الصفنت الجیاد۔ کی طرف راجع کرکے اس کا مطلب تواری الخیل بالحجاب بنانا عبارت کو رکیک بنا دیتا ہے۔

غرضیکہ بیان القرآن کی تفسیر پر جس قدر اعتراضات اور شبہات کا مولانا نے ذکر کیا ہے۔ ان سب کا جواب محققین ائمہ تفسیر کے کلام میں موجود ہے۔ جیسا کہ ابھی اوپر تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے۔ اسلئے اس تفسیر کو غلط قرار دینا خود غلط اور بے دلیل ہے۔

اور آیت نعم العبد انہ اواب۔ میں غور کرنے سے واضح ہے کہ یہ واقعہ حضرت سلیمان علیہ السلام

کے الاوّاب (بہت رجوع ہونے والا) ہونے کی دلیل کے طور پر ذکر فرمایا گیا ہے۔ اور مقصد یہ معلوم ہوتا ہے۔ کہ جب ان سے اپنے معمول میں معمولی سی غفلت اور ذہول کا صدور ہوا تو اس کا بھی فوراً تدارک اللہ کیطرف رجوع کر کے فرمالیا۔ واللہ اعلم باسرار کلامہ۔

اب حدیث مرفوع اور آثار سلف نیز ائمہ مفسرین کی تصریحات سے قطع نظر کر لینے کے بعد ہی ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ اس تفسیر کی تغلیط کی جائے۔ ورنہ اصول تفسیر کی رو سے اسکی تغلیط ناممکن ہے۔ اسی لئے ایسے ہی بعض مفسرین نے اس کو رد کیا ہے۔ جن پر فلسفہ اور عقلیت کا رنگ غالب ہے۔ اور وہ تفسیر قرآن میں احادیث اور آثار سلف کے پابندی نہیں کرتے۔

دوسری آیت | کشف ساق کے معنی :- مولانا نے لکھا ہے۔ " یوم یکشف عن ساق ویدعون الی السجود فلا یستطیعون۔ اس آیت کا ترجمہ عموماً یہ کیا جاتا ہے کہ (جس دن کہ ساق کی تجلی فرمائی جاوے گی۔ اور سجدہ کی طرف لوگوں کو بلایا جاوے گا۔ سو یہ لوگ سجدہ نہیں کر سکیں گے۔) حالانکہ ساق پنڈلی کا کھولنا عرب کے محاورہ کے طور پر لایا گیا ہے ۔۔۔۔۔۔ اگر عرب کے محاورات کو جو کمال بلاغت کے لئے قرآن مجید میں لائے گئے ہیں۔ لفظی ترجمہ میں ظاہر کیا جائے گا۔ تو کلام بے معنی بلکہ ہذیان بن جائے گا۔ (جس دن ساق کی تجلی فرمائی جائے گی۔) اس میں تجلی فرمانے کے تعظیمی الفاظ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ساق کا علاقہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ الخ (البلاغ)

" حق تعالیٰ کیلئے اعضاء، ید، وجہ، ساق، وغیرہ کے الفاظ قرآن وحدیث میں وارد ہوئے ہیں۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ حق تعالیٰ جسم اور جسمانیات اور جسم کی تمام صفات وخصوصیات سے بالاتر ہے۔ اس لئے جمہور علماء امت کا عقیدہ یہ ہے کہ اس بات پر ایمان لایا جائے۔ کہ یہ الفاظ اپنی جگہ پر حق ہیں۔ اور ان کی جو مراد حق تعالیٰ کی ہے۔ وہ صحیح ہے۔ مگر ان الفاظ کی حقیقت کے جاننے کی فکر کو اپنی عقل سے بالاتر ہونے کی بناء پر چھوڑ دیا جائے اور جن متاخرین علماء نے ان الفاظ کے کوئی معنی بیان فرمائے ہیں۔ ان کے نزدیک بھی وہ محض ایک احتمال کے درجہ میں ہیں کہ شاید یہ معنی ہوں۔ اس معنی کو وہ بھی یقینی قرار نہیں دیتے، اور ظاہر ہے احتمالات ظاہر ہے کہ کسی حقیقت کا انکشاف نہیں کر سکتے اس لئے صاف اور سیدھا مسلک سلف صالحین اور صحابہ وتابعین ہی کا ہے جنہوں نے ایسے الفاظ کی حقیقت کو علم الٰہی کے سپرد کرنے پر قناعت فرمائی ہے۔ (از معارف)

ظاہر ہے کہ ساق، جس کے لفظی معنی پنڈلی کے ہیں یہ بھی وجہ (چہرہ) اور ید (ہاتھ) وغیرہ کی طرح ایسے ہی متشابہات میں سے ہے۔ جن کے معنی معلوم اور کیفیت مجہول ہے۔ یعنی یہ تو معلوم

ہے کہ ید کے معنی ہاتھ اور وجہ کے معنی چہرہ اور ساق کے معنی پنڈلی کے ہیں۔ مگر یہ معلوم نہیں کہ خدا تعالیٰ کا ہاتھ اور اس کا چہرہ اور پنڈلی کس طرح کی ہے۔ معاذ اللہ اگر یہ اعضاء ہمارے اعضاء کی طرح ہوں تو جسمیت اور تشبیہ لازم آئے گی۔ اس لئے یہ اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ کہ حق تعالیٰ کی دوسری صفات کی طرح صفت ید اور صفت وجہ بھی بے مثل اور بے چون ہے۔ اور ان کے وہی معنی مراد ہیں جو اس کی شان کے لائق ہیں۔ اسی طرح ساق سے بھی کوئی ایسی خاص صفت مراد ہے جس کو کسی خاص مناسبت کی وجہ سے ساق سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔ مگر اس کی کیفیت معلوم نہیں ہے۔

بخاری شریف کی کتاب التفسیر میں اسی آیت کی تفسیر میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد منقول ہے:

یکشف ربنا عن ساقه فیسجد له کل مومن و مومنة ویبقی من کان یسجد فی الدنیا ریاء وسمعة فیذهب لیسجد فیعود ظهره طبقا واحداً۔ (بخاری ص ۷۳۱ ج ۲)

اس حدیث سے ثابت ہے کہ قیامت کے روز ساق کی تجلی ہوگی اور اس تجلی کو دیکھ کر تمام ایمان والے مرد و عورت سجدے میں گر پڑیں گے۔ مگر جو شخص ریا سے سجدہ کرتا تھا، اس کی کمر تختہ کی طرح رہ جائے گی۔ وہ سجدہ نہ کر سکے گا۔ اور کفار کا سجدہ پر قادر نہ ہونے کا تو اس آیت میں بھی ذکر ہے۔ بخاری کی کتاب التفسیر میں اس آیت کے تحت اس حدیث کو روایت کرنے سے واضح ہو رہا ہے کہ آیت میں کشف ساق سے مراد یہی تجلی ساق ہے جس کا تذکرہ حدیث شریف میں کیا گیا ہے۔

بیان القرآن میں آیت مذکورہ کا یہ ترجمہ "جس دن ساق کی تجلی فرمائی جائے گی" جس کو مولانا نے نقل کیا ہے۔ اسی مرفوع حدیث کے پیش نظر کیا گیا ہے۔

اب اگر کشف ساق سے محاورہ عرب کے مطابق احوال محشر کی شدت کا اظہار مراد لینا درست بھی ہو، تو بھی پہلی تفسیر کو جو حدیث صحیح پر مبنی ہے، صریح غلطیوں میں شمار کرنا کسی طرح درست نہیں ہو سکتا۔ بلکہ حدیث مرفوع کی تائید کی وجہ سے بیان القرآن کی اختیار کردہ تفسیر کو ترجیح حاصل ہوگی۔

مولانا نے لکھا ہے کہ ساق کا علاقہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ سے ہے۔ حالانکہ حدیث بخاری کے الفاظ یکشف ربنا عن ساقه سے ساق کا علاقہ اللہ تعالیٰ سے ثابت ہو رہا ہے۔ تو کیا مولانا وجہ اللہ، ید اللہ میں بھی وجہ اور ید کے علاقہ کو اللہ تعالیٰ سے نفی کریں گے۔ اور اگر وہ وجہ اور ید کے علاقہ کو اللہ تعالیٰ سے درست تسلیم کرتے ہیں، تو ساق کے علاقہ کو تسلیم کرنا ان کے جذبۂ تحقیق کے کیوں خلاف ہے۔

حضرت فاطمہؓ کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ کہنا مولانا نے اپنے مراسلہ میں لکھا ہے کہ: حضرت فاطمہ کو سیدۃ نساء اہل الجنۃ کہنا بچند وجوہ محل نظر ہے۔ اول، تو خود اس کا راوی شک کرتا ہے کہ آنحضرت

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی تسلی کیلئے یہ فرمایا یا یہ فرمایا کہ میرے اہل بیت میں سب سے پہلے تم مجھ سے ملوگی اور یہی صحیح ہے۔ کیونکہ صدمہ فراق کا تدارک وصال سے ہوتا ہے نہ کہ دوسرے عطیات سے، پھر لستن کا حدیث من النساء کے بھی معارض ہے اور حضرت خدیجہ و عائشہ کی فضیلت کے بھی خلاف ہے۔ (الحق)

بخاری شریف کی روایت کے الفاظ بروایت مسروق عن عائشہؓ حسب ذیل ہیں : فقالت اسرّ الی ان جبرئیل کان یعارضنی القرآن کل سنة مرة وانه عارضنی العام مرتین ولا اراه الاحضر اجلی وانک اول اهل بیتی لحاقا بی فبکیت فقال اما ترضین ان تکونی سیدة نساء اهل الجنة او نساء المومنین فضحکت لذلک۔ (بخاری صفحہ ۵۱۲ ج ۱)

اس روایت کے راوی مسروق نے حضرت عائشہؓ سے دونوں ہی جملوں، انک اول اهل بیتی لحاقا بی۔ اور ان تکونی سیدة نساء اهل الجنة۔ کو بغیر شک کے بجزم کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اور دونوں ہی جملے صحیح ہیں۔ ان دونوں جملوں کے روایت کرنے میں راوی نے شک کا کوئی حرف ذکر نہیں کیا، مولانا بلاوجہ اس میں راوی کا شک بتلاتے ہیں۔ اور پھر صرف ایک ہی کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ اور اگر مولانا کا مقصد یہ ہے کہ حضرت عائشہؓ سے مسروق نے تو اس جملہ ان تکونی سیدة نساء اهل الجنة۔ کو روایت کیا ہے۔ لیکن عروہ نے اس جملہ کو روایت نہیں کیا بلکہ صرف پہلے جملہ کو ہی روایت کیا ہے۔ تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ ایک راوی نے ایک جملہ کو دوسرے راوی سے زیادہ روایت کیا ہے۔ اصول حدیث کی رو سے ثقہ راوی کا روایت کردہ زیادہ لفظ مقبول ہوتا ہے۔ اور مسروق راوی ثقہ ہے۔ اس لئے اس کا زیادہ روایت کردہ جملہ مقبول ہے۔ پھر عروہ نے مسروق کے روایت کردہ جملہ کی نفی نہیں کی جس سے دونوں کی روایت میں تعارض ثابت ہوتا۔ بلکہ مسروق نے ایسے لفظ کو زیادہ روایت کیا ہے جو عروہ کی روایت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ اسی لئے مسروق کی روایت عروہ کی روایت کی نسبت زیادہ جامع ہے۔ اور اسی وجہ سے علامہ ابن حجرؒ اور علامہ قسطلانی وغیرہ شارحین بخاری نے مسروق کی اس روایت کو عروہ کی روایت پر ترجیح دی ہے۔ ورجح حدیث مسروق لاشتماله علی زیادة لیست فی حدیث عروة وهی کونها سیدة نساء اهل الجنة کذا فی القسطلانی قال صاحب الخیر الجاری ورجح فی الفتح روایة مسروق علی روایة عروة (حاشیہ بخاری صفحہ ۵۱۲ ج ۲)

جب اصول حدیث کی رو سے سیدة نساء اهل الجنة، کی روایت مقبول اور مسروق کی حدیث راجح ہے۔ تو اس کے بارہ میں شک ثابت کرنے کی کوشش اصول حدیث کو نظر انداز کر کے ہی نتیجہ خیز ہو سکتی ہے۔

شبہ کا ازالہ مولانا کا یہ شبہ قابل التفات نہیں ہے کہ حدیث کا یہ جملہ آیت لستنّ کاحد من النساء۔ اور حضرت خدیجہ و عائشہ کی فضیلت کے خلاف ہے، کیونکہ اس آیت میں ازواج النبی اور نساء النبی ہونے کی خاص حیثیت سے تمام عالم کی عورتوں پر ازواج مطہرات کی افضلیت بیان فرمائی گئی ہے۔ اس سے عام فضیلت مطلقہ ثابت نہیں ہوتی جس سے اس جملہ اور آیت میں تعارض کا شبہ درست ہو سکتا۔

دوسرے یہ کہ ازواج مطہرات کی فضیلت چونکہ اس آیت سے ثابت شدہ ہے۔ اس لئے وہ اس سیادت فاطمہ کے عموم میں داخل نہیں ہیں۔ جیساکہ سیدالشہداء کی تحقیق میں گذرچکا ہے، لیکن دوسری نساء اہل جنت پر سیادت فاطمہ کے انکار کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔

کیا یہ بھی تحقیق کا کوئی اصول ہے کہ حدیث صحیح سے ثابت شدہ سیادت فاطمہ کا مطلقاً اس لئے انکار کردیا جائے کہ اس کا بظاہر ازواج مطہرات کے حق میں تعارض معلوم ہوتا ہے۔؟

دوسرے شبہ کا ازالہ رہا مولانا کا یہ خیال کہ صدمہ فراق کا تدارک وصال سے ہوتا ہے۔ نہ کہ دوسرے عطیات سے، تو یہ بھی قابل التفات نہیں ہے۔ کیونکہ صدمہ فراق کے تدارک کے لئے وصال اور عطیہ سیادت دونوں کی خبردی گئی ہے۔ اور چونکہ یہ سیادت جنتی عورتوں پر آخرت میں وصال کے بعد حاصل ہونے والی تھی۔ اس لئے اس کو خبر وصال سے بھی مناسبت ہے۔ اور ایسے وقت میں اس خوش کن خبر کا ذکر بڑا برمحل ہے۔ اور صدمہ فراق کے ازالہ کیلئے بہت ہی مؤثر تھا۔ مولانا کا اس عطیہ سیادت کو تدارک فراق اور خبر وصال سے بے تعلق سمجھ کر اس روایت کا ہی انکار کردینا کسی مخصوص مکتب فکر اور خاص نظریہ کی تائید و حمایت کا غماز ہے۔

مسئلہ ظہور مہدی کا ماخذ مولانا لکھتے ہیں۔ اسی طرح ظہور مہدی کا مسئلہ ہے جو ہم نے قدرے اصلاح و ترمیم کے ساتھ روافض سے حاصل کیا ہے۔ (الحق)

امام مہدی کا تذکرہ ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ وغیرہ نے امام مہدی کے عنوان سے علیحدہ باب قائم کرکے کیا ہے۔ اور شارح عقیدہ سفارینی نے امام مہدی کی تشریف آوری کے متعلق معنوی تواتر کا دعویٰ کیا ہے۔ اور اس کو اہل سنت کے ضروری عقائد میں شمار کیا ہے۔ قاضی شوکانی نے اپنے رسالہ میں اور شیخ علی متقی نے بھی منتخب کنز العمال میں اس کا کافی مواد جمع کردیا ہے۔ حافظ ابن تیمیہ منہاج السنۃ میں اور حافظ ذہبی مختصر منہاج السنۃ میں تحریر فرماتے ہیں۔ الاحادیث التی یحتج بہا علی خروج المہدی صحاح رواہا احمد وابوداؤد والترمذی منہا حدیث ابن مسعود و ام سلمۃ وابی سعید و علی۔
(مختصر ص۵۳۴)

اور مسلم شریف کی اس حدیث سے بھی ظہور مہدی کا پتہ چلتا ہے، جس میں آیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول کے وقت مسلمانوں کے امیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نماز پڑھانے کی پیش کش کریں گے۔ دوسری احادیث کی روشنی میں اس مبہم امیر کی تفسیر اور اسکی تعیین جب کی جائے گی تو مسلم شریف کی حدیث مفسر سے امام مہدی کے ظہور کا مسئلہ ثابت ہو جائے گا۔ تفصیل کے لئے حضرت حکیم الامت تھانویؒ کا رسالہ الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح۔ اور دوسرا رسالہ موخرۃ الظنون فی مقدمہ ابن خلدون۔ کا ملاحظہ کیا جائے۔

اس مختصر تفصیل سے معلوم ہو گیا ہوگا، کہ اہل سنت کے اس مسئلہ ظہور مہدی کا ماخذ بھی دوسرے بہت سے مسائل کی طرح احادیث صحیحہ ہیں، مولانا کا یہ خیال غلط اور حقیقت کے خلاف ہے کہ اہل سنت نے اس کو روافض سے حاصل کیا ہے۔ روافض کی توہم پرستی اور اس مسئلہ میں بے تکی باتوں کے شامل کر دینے کی وجہ سے ایک ثابت شدہ حقیقت اور اہل سنت کے متفقہ مسئلہ ظہور مہدی کا انکار کر دینا تردید رفض کا صحیح طریقہ نہیں کہلا سکتا بلکہ یہ طریقہ دوسرے مسائل اور دوسری احادیث صحیحہ سے بھی اعتماد اٹھا دینے اور مسلک اہل سنت کی بنیاد کے انہدام کا ذریعہ بن رہا ہے۔ اس طریقہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اہل سنت کے مسلمہ مسائل کی تسلیم کے ساتھ روافض کی خرافات کی تردید کرنے کی صلاحیت اور ان کے حملوں سے عہدہ برآ ہونے کی اہلیت سے یہ لوگ عاری ہیں جن لوگوں نے اس طریقہ کو اپنایا ہے، اس لئے وہ تردید روافض کیلئے اہل سنت کے مسلک میں قطع و برید کرنے کے بغیر کوئی چارہ نہیں پاتے۔

جذبۂ تحقیق کا ایک اور نمونہ اسی طرح کتاب، خلافت معاویہ و یزید کے مؤلف جناب محمود احمد عباسی (کراچی) نے بھی اپنے جذبۂ تحقیق کی تسکین کی خاطر تردید رفض کا لبادہ اوڑھ کر تاریخی ریسرچ و تحقیق کے نام پر اہل سنت کے بہت سے مسلمہ مسائل کو بدلنے اور احادیث صحیحہ کو کھلم کھلا موضوع اور جعلی و مہمل قرار دینے کی خدمت انجام دینے میں مصروف ہیں انہوں نے بھی ظہور مہدی اور اس سے بڑھ کر نزول عیسیٰ علیہ السلام اور خروج دجال جیسے قطعیات اسلام کا انکار کر دیا ہے اور حدیث سیدۃ نساء اہل الجنۃ، اور حدیث سید اشباب اہل الجنۃ کو بھی موضوعات میں شمار کیا ہے۔ ان کی کتاب، تحقیق سید و سادات، میں لکھا ہے: نواب امداد صاحب نے سید اشباب اہل الجنۃ اور سیدۃ نساء اہل الجنۃ کی وضعی حدیثوں ہی کی بناء پر خلعت سیادت، کا دربار خداوندی سے مرحمت ہونا بیان کیا ہے۔ (ص ۲۵۲)

اسی کتاب میں لکھا ہے۔ ہمیں امامیہ (شیعہ) کے مہدی منتظر کی تردید و تکذیب سے تو یہاں بحث نہیں اور نہ عوام میں جو یہ بات مشہور کر رکھی ہے کہ قرب قیامت میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے اتریں گے۔ مہدی کی معیت میں دجال کو قتل کریں گے۔ یہ باتیں بھی ہمارے موضوع سے خارج ہیں۔ قرآن شریف میں نہ تو مہدی کا ذکر ہے اور نہ نزول عیسیٰؑ کا۔ (ص ۲۰۸، ۲۰۹)

اہل سنت کے مسلک اعتدال سے ہٹ کر جو شخص بھی آزادانہ طریقہ پر نظر و فکر اور جذبۂ تحقیق کو حرکت میں لائے گا۔ وہ اسی طرح روافض کی افراط یا خوارج کی تفریط میں مبتلا ہوگا۔ اور رفض و خروج اور اسی طرح انکار حدیث اور مرزائیت وغیرہ گمراہ فرقوں اور فتنوں کی ترجمانی اور پشت پناہی کا کردار ادا کرے گا۔ اور اس کی تحقیق کے نتائج بھی مولانا کی تحقیق کے نتائج سے کچھ مختلف نہیں ہوں گے۔

مقام افسوس | کتنے افسوس کا مقام ہے کہ مولانا کے اس جذبۂ تحقیق سے شعوری یا غیر شعوری طور پر ایسے ہی غلط افکار و نظریات کی تائید و حمایت کا کام انجام پا رہا ہے۔

معاویہ بن ابی سفیان | اپنے مراسلہ کے آخر میں مولانا نے لکھا ہے کہ میں نے معاویہ بن ابی سفیان پر ایک طویل رسالہ لکھا جب وہ شائع ہوا تو مولانا اصغر حسین صاحب مرحوم نے بڑے سنگین الفاظ میں اسے ناپسند فرمایا کیونکہ اس میں حضرت علی و حضرت معاویہ کی جنگ پر عقل و نقل کے مطابق مدلل تبصرہ ہے۔ (الحق)

مشاجرات صحابہ کے بارہ میں اہل سنت کا اعتدالی نقطۂ نظریہ ہے کہ فریقین کے ساتھ حسن ظن اور کف لسان سے کام لیا جائے جیساکہ علامہ نووی نے فرمایا ہے۔ واعلم ان الدماء التی جرت بین الصحابة لیست بداخلة فی هذا الوعید ومذهب اهل السنة والحق احسان الظن بهم والامساک عما شجر بینهم وتاویل قتالهم وانهم مجتهدون متأولون لم یقصدوا معصیة ولامحض الدنیا بل اعتقد کل فریق انه المحق ومخالفه باغ فوجب علیه قتاله لیرجع الی امر الله وکان بعضهم مصیباً وبعضهم مخطئاً معذوراً فی الخطاء لانه باجتهاد والمجتهد اذا اخطأ لااثم علیه وکان علیؓ هو المحق المصیب فی ذالک الحروب هذا مذهب اهل السنة وکانت القضایا مشتبهة حتی ان جماعة من الصحابة تحیروا فیها فاعتزلوا الطائفتین ولم یقاتلوا ولو تیقنوا الصواب لم یتاخروا عن مساعدته۔ (شرح مسلم ص ۳۹۰ ج ۲)

حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب محدث دارالعلوم دیوبندؒ نے مولانا کے اس رسالہ میں اس نقطۂ اعتدال سے انحراف محسوس فرما کر ہی اس پر اظہار ناپسندیدگی کیا ہوگا۔ جیساکہ مولانا کے افادات

مقتضا ہے اور ان کے جذبۂ تحقیق کے ان نتائج میں بھی یہ انحراف واضح طور پر دکھلائی دے رہا ہے
لوم ہوتا ہے۔ مولانا اپنی افتادِ طبع سے مجبور ہیں۔ مولانا نے جو یہ لکھا ہے کہ "استاذی حضرت
لانا عبدالشکور صاحب مرحوم نے یہ فرمایا کہ تمہاری نجات کے لئے۔ یہی رسالہ کافی ہے۔ ظن غالب
ہے کہ مولانا لکھنوی مرحوم نے یہ اظہارِ خیال اس کے کسی خاص پہلو کے لحاظ سے کیا ہوگا۔ مثلاً صحابی
رسول صلی اللہ علیہ وسلم حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے بدظنی کے عقیدہ کی اصلاح کے
لحاظ سے فرمایا ہوگا۔ کیونکہ حضرت مولانا مرحوم مسلک اہل سنت کے وکیل کی حیثیت سے حضرت
علی اور حضرت معاویہ رضی عنہما کے بارہ میں ہمیشہ اسی نقطۂ اعتدال کی ترجمانی فرماتے رہے ہیں جو اہل
سنت کا خصوصی اور امتیازی شعار ہے۔ چنانچہ مولانا محمد منظور نعمانی تحریر فرماتے ہیں:

نقطۂ اعتدال | ایک مقولہ نقل کرتا ہوں جو مولانا (عبدالشکور صاحب لکھنوی) سے میں نے
خود سنا ہے ایک موقع پر حضرت علی مرتضیٰ اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما کے درجات فرق بیان
کرتے ہوئے فرمایا: حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سابقین اولین کی پہلی صف کے بھی اکابر میں ہیں اور
حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اگرچہ صحابی ہونے کی حیثیت سے ہمارے سرتاج ہیں۔ لیکن حضرت علی مرتضیٰؓ
سے ان کو کیا نسبت ان کی مجلس میں اگر صف نعال میں بھی حضرت معاویہؓ کو جگہ مل جائے تو ان کے لئے
سعادت اور باعثِ فخر ہے (الفرقان۔ ذلیقعدہ ۱۳۸۱ھ ص۴۶)

مولانا مرحوم کی یہ اعتدال پسندی اور اہل سنت کے مسلک کی ترجمانی ایسے تمام لوگوں کیلئے
قابل تقلید ہے۔ جن کو روافض کے افراط کا علاج خارجیت کی تفریط میں نظر آتا ہے۔ اور اس کے سوا
دوسرا راستہ نظر ہی نہیں آتا۔ مگر اس راہ میں قدم رکھنے کے بعد اعتدال پر قائم رہنا اللہ تعالیٰ کی توفیق
سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس سے ہی توفیق کا سوال کرتے رہنا چاہئے، ورنہ تو روافض کی افراط یا خوارج
کی تفریط میں مبتلا ہو جانا ایک عام بات اور اکثری تجربہ ہے۔ اللہ تعالیٰ افراط و تفریط سے محفوظ رہنے
اور مسلک اہل سنت کے اعتدال پر قائم رہنے کی توفیق عنایت فرمائیں۔ آمین۔

بی سی ٹی مارکہ
پرزہ جات سائیکل
پاکستان میں سب سے اعلیٰ اور معیاری
بٹ سائیکل سٹور نیلا گنبد لاہور
فون نمبر 65309

جناب مضطر عباسی۔ ایم۔اے۔ (مری)

جدید زبانوں کے عربی ماخذ

(۵)

قوم | قوم عربی زبان کا لفظ ہے۔ اردو، فارسی اور بہت سی دوسری زبانوں میں یہ لفظ اپنی اصلی شکل وصورت کے ساتھ موجود ہے۔ انگریزی، جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں قوم کے لیے NATION ہسپانوی زبان میں NACION پرتگال کی زبان میں NACAO اطالوی میں NAZIONE روسی میں NATSYA اور یورپ کی جدید زبانوں کی نمائندہ مصنوعی زبان اسپرانتو میں NACIO ہے۔

علم لسانیات کے علماء کا خیال ہے کہ یہ سب الفاظ لاطینی زبان کے لفظ NATAL سے ماخوذ ہیں۔ جس کے معنی ہیں۔ پیدائش۔ اولاد۔ لاطینی زبان کا یہ لفظ (NATAL) انگریزی میں بھی پیدائش جنم اور پیدائشی وغیرہ کے معانی کے لیے مستعمل ہے۔ NATIVE جس کے معنی ہیں ملکی، وطنی، پیدائشی اور NATURE جو بناوٹ، ساخت، خلقت اور فطرت کے معانی دیتا ہے۔ اور جس سے NATURAL یعنی قدرتی، طبعی، اصلی اور حقیقی اور اسی نوع کے بہت سے دوسرے الفاظ لیے گئے ہیں۔ ان سب کا ماخذ یہی لاطینی زبان کا لفظ NATAL ہے۔ مختصر یہ کہ قوم، قدرت، فطرت اور پیدائش وغیرہ کیلئے بیشتر الفاظ جو جدید زبانوں میں مستعمل ہیں۔ وہ سب کے سب علمائے لسانیات کے خیال کے مطابق لاطینی کے لفظ NATAL سے ماخوذ ہیں۔ ہم اس پر اتنا اضافہ کرتے ہیں کہ لاطینی زبان کا لفظ NATAL عربی کے لفظ NASAL (نسل) سے ماخوذ ہے۔

عربی کے نسل (NASAL) کا S (س) لاطینی میں T (ت) سے بدل گیا ہے۔ اب ہمارے ذمہ صرف یہ ثابت کرنا رہ گیا ہے کہ واقعی عربی کا س (S) لاطینی میں ت (T) سے بدل

گیا ہے۔ اس سلسلہ میں پہلے ایک قاعدہ پیش کیا جاتا ہے۔

قاعدہ | لسانیات کے ماہروں نے تسلیم کیا ہے کہ S (س) اور T (ت) آپس میں ایک دوسرے سے تبدیل ہو جاتے ہیں۔ مثالیں ملاحظہ ہوں:

انگریزی میں پاؤں کیلئے FOOT (فٹ) کا لفظ ہے۔ یہی لفظ جرمن زبان میں FUSS (فس) بن گیا ہے۔ یعنی انگریزی کی T (ت) جرمن میں S (س) سے تبدیل ہو گئی ہے۔ اسی طرح انگریزی کا لفظ WATER (واٹر) یعنی پانی جرمن زبان میں WASSER بن گیا ہے۔

ایک اور مثال ملاحظ فرمائیں گلی، کوچہ، کیلئے انگریزی میں STREET اور ڈچ یعنی ہالینڈ والوں کی زبان میں STRAAT ہے جو جرمن میں STRASSE بن گیا ہے۔

ایک قدم آگے بڑھیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ T (ت) نہ صرف S (س) سے بدلتی ہے۔ بلکہ ان حروف سے بھی بدل جاتی ہے جو S (س) کی آواز دیتے ہیں۔ یا S (س) ان کی آواز دیتا ہے۔ انگریزی میں IS اور HAS وغیرہ بیشمار الفاظ ہیں جن میں S (س) Z (ز) کی آواز دیتا ہے۔ اور T (ت) Z (ز) سے بھی بدل جاتی ہے۔ انگریزی، ڈینش اور ڈچ زبانوں میں ٹین اور قلعی کیلئے لفظ TIN (ٹن) استعمال ہوتا ہے۔ یہی لفظ سویڈن والوں کی زبان سویڈش میں TENN ہے۔ لیکن جرمن میں T (ت) Z (ز) سے بدل کر اسکی صورت ZINN ہو گئی ہے۔

IS اور HAS میں تو S (س) ہے جو Z (ز) کی آواز دیتا ہے۔ لیکن بیشمار ایسے مواقع بھی آتے ہیں۔ جن میں S (س) نہ صرف آواز کے اعتبار سے Z (ز) بن جاتا ہے۔ بلکہ Z (ز) کی صورت میں اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً سمندر کیلئے انگریزی میں SEA اور جرمن میں SEE ہے۔ اور یہی لفظ ڈچ میں ZEE بن گیا ہے۔ یعنی S (س) Z (ز) سے بدل گیا۔

ایک اور مثال ملاحظہ فرمائیں۔ سورج کیلئے انگریزی لفظ SUN (سن) ہے۔ اور جرمن میں SONNE اور ڈچ میں S (س) Z (ز) سے بدل کر ZON بن گیا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ S (س) اور T (ت) ایک دوسرے سے تبدیل ہوتے ہیں۔ بلکہ T (ت) S (س) سے تبدیل ہونے والے دوسرے حرف Z (ز) سے بھی تبدیل ہونے والا حرف ہے۔

اس قاعدہ کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ لاطینی کا NATAL جو جدید زبانوں کے بہت سے الفاظ کا ماخذ مانا گیا ہے۔ بذات خود عربی کے نسل (NASAL) سے ماخوذ ہے ــــــ ممکن ہے

کوئی صاحب کہیں کہ S (س) اور T (ت) کے آپس میں ایک دوسرے سے تبدیل ہونے کا قاعدہ اور اصول اپنی جگہ درست ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ لاطینی کے NATAL میں بھی اس قاعدے پر عمل ہؤا ہے۔ اس لئے کہ لسانیات میں اس نوعیت کے قاعدے جامع اور ہمہ گیر حیثیت نہیں رکھتے ایک حرف کسی دوسرے حرف سے تبدیل ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ان دونوں میں تبدیلی لازمی طور پر اور ہر جگہ واقع ہو۔

سو عرض ہے کہ یہ شبہ بجا اور درست ہے۔ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ S (س) T (ت) سے تبدیل ہوتا ہے۔ لیکن ہر جگہ یہ تبدیلی واقع نہیں ہوتی۔ بعض مواقع ایسے آتے ہیں جہاں یہ دونوں حروف ایک دوسرے سے بدل جاتے ہیں۔ اور ایسے مواقع بھی ملتے ہیں، جہاں یہ صورت پیدا نہیں ہوتی۔

البتہ ہمارے پاس ایک دوسری دلیل اس امر کی موجود ہے، جس کی روشنی میں ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ لاطینی کے لفظ NATAL میں یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے۔ یعنی اس لفظ میں T (ت) S (س) کی بدلی ہوئی صورت ہے۔ ہم نے NATAL کے معانی کے سلسلہ میں عرض کیا ہے کہ اس کا اصل مفہوم پیدائش، جنم، ولادت اور نسل کا ہے۔ اور اس مفہوم کیلئے جدید زبانوں میں بہت سے الفاظ ہیں، جن کا ماخذ NATAL ہی تسلیم کیا گیا ہے۔ لیکن ان میں T (ت) کی جگہ S (س) یا C (س) ہے۔ مثلاً پرتگالی زبان میں پیدائش کیلئے NASCER اطالوی زبان میں NASCERE اور ہسپانیہ کی زبان سپینش میں NACER ہے۔ ان تینوں لفظوں کا ماخذ بھی لاطینی کا یہی لفظ NATAL ہے۔ حالانکہ ان میں سے کسی ایک میں بھی T (ت) نہیں۔ یہ الفاظ اس امر کے شاہد ہیں کہ NATAL میں T (ت) کا S (س) سے واسطہ رہا ہے۔ اور لطف یہ کہ R (ر) کو L (ل) سے بدل دیا جائے۔ تو پرتگالی کا NASCER اطالوی کا NASCERE اور ہسپانوی کا NACER سیدھا سادا عربی کا نسل (NASAL) بن جاتا ہے۔

R (ر) کا L (ل) سے بدل جانا بھی قاعدے کے عین مطابق ہے۔

مختصر یہ کہ قوم کیلئے NATION وغیرہ قسم کے جو الفاظ جدید زبانوں میں پائے جاتے ہیں۔ وہ اپنے معنی مفہوم اور مادے کے اعتبار سے لاطینی کے لفظ NATAL سے ماخوذ ہیں۔ اور لاطینی کا NATAL عربی کے لفظ نسل (NASAL) سے لیا گیا ہے۔

عربی کے لفظ نسل (NASAL) کا S (س) لاطینی میں T (ت) سے بدل گیا ہے۔ اور یہ تبدیلی ایک جانے پہچانے اور لسانیات کے ماہرین کے مانے ہوئے قاعدے اور ضابطے کے عین مطابق واقع ہوتی ہے۔ NATAL کا حرف T (ت) نسل (NASAL) کے S (س) سے لیا

گیا ہے۔ اسکی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ خود اہلِ یورپ نے NATION میں T (ت) کے تلفظ کا انکار کردیا ہے۔ اور اسے SH (ش) اور بعض نے Z (ز) اور بعض نے TS (تس) کی آواز میں اپنایا ہے۔

نازی | لفظ قوم کے سلسلہ میں جو کچھ عرض کیا گیا ہے۔ اسکی تائید مزید کیلئے نازی کا لفظ ہماری مدد کرتا ہے۔

دوسری عالمی جنگ سے پہلے روسی سوشلزم کے مقابلے میں جرمنی کے ہٹلر نے قومی سوشلزم کا نعرہ بلند کیا تھا۔ اور ملک میں ایک سیاسی پارٹی قائم کی تھی جس کا نام تھا قومی اشتراکی جماعت ـــ یعنی NATIONAL SOCIALIST PARTY ۔ اس پارٹی کو مختصر اور عام بول چال میں قومی جماعت یا نازی پارٹی کہا جاتا تھا۔ نازی NAZI جرمن زبان کا لفظ ہے۔ جو NATION سے بنا ہے۔ اور اس کے معنٰی ہیں "قومی"۔ جرمن زبان میں NAZI کا تلفظ ناتشی (NATSI) ہے۔ لیکن املا NAZI ہے۔ انگریزوں نے NAZI کا تلفظ اپنی زبان کے قاعدے کے مطابق نازی بنا لیا جو سراسر غلط ہے۔ البتہ انگریزوں نے املا میں تبدیلی نہیں کی وہی NAZI ہی لکھا جاتا رہا۔ انگریزوں کو اس تبدیلی کی ضرورت اس لئے محسوس نہ ہوئی کہ ان کی اپنی زبان میں Z (ز) کی آواز دیتا ہے۔

اس طرح انگریز اور جرمن دونوں NAZI لکھتے رہے، اور پڑھنے میں انگریزی نازی اور جرمن ناتشی پڑھتے رہے۔ ہم اردو والوں نے انگریزوں سے یہ لفظ لیا تو اردو میں نازی لکھنا اور پڑھنا شروع کردیا۔ اس طرح جرمن کا ناتشی انگریزوں کی معرفت ہمارے ہاں آکر نازی بن گیا ہے۔

NAZI (نازی) جرمن لفظ NATION سے بنا ہے۔ اور NATION لاطینی کے NATAL سے اور لاطینی کا NATAL عربی کے نسل (NASAL) سے ماخوذ ہے۔ نازی کا جرمن تلفظ ہمارے اس بیان کی تائید کرتا ہے۔ کہ NATION میں T (ت) اپنے اندر S (س) کے انداز لئے ہوئے ہے۔

سال اور سورج | ہم نے لفظ قوم کے سلسلۂ گفتگو کے دوران عرض کیا تھا کہ سورج کے لئے انگریزی میں SUN (سن) جرمن میں SONNE اور ڈچ میں ZON کا لفظ ہے۔ سورج اور سال کا باہمی تعلق کسی سے پوشیدہ نہیں، مہینہ چاند کی پوری گردش کی مدت کا نام ہے۔ تو سال اور سورج کی گردش کا نام ہے۔ گو جدید سائنس نے ثابت کیا ہے۔ کہ سورج کی گردش سے مراد سورج کے گرد زمین کی گردش ہے۔ تاہم اس میں شک نہیں کہ سورج کی نسبت سے سال اور سال کی نسبت سے سورج کی گردش یا سورج کے گرد زمین کی گردش کا مفہوم پیدا ہوتا ہے ـــــــ یورپ کی

بیشتر زبانوں میں مہینہ اور چاند کیلئے ایک ہی لفظ ہے، جو معمولی سی تبدیلی کے ساتھ ایک دوسرے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ فارسی میں اس تبدیلی کی زحمت بھی گوارا نہیں کی گئی۔ اور دونوں یعنی چاند اور مہینہ کیلئے ماہ کا لفظ اپنا لیا گیا ہے۔ چاند اور مہینہ کے باہمی تعلق کی طرح سورج اور سال کے درمیان بھی تعلق ہے۔ اور اس تعلق کا بھی اہل یورپ نے احترام کیا ہے۔ اور سورج اور سال کے لئے ایک ہی مادے سے ماخوذ الفاظ سے کام لیا گیا ہے۔ مختصر یہ کہ سال اور سورج کا آپس میں وہی تعلق ہے۔ جو چاند اور مہینہ کا ہے۔ اس طرح سال اور سورج کیلئے کسی مشترک ماخذ کی تلاش آسان ہو جاتی ہے۔ ہمارا خیال ہے۔ کہ عربی کا لفظ سَنَا یعنی چمک اور سَن یعنی سال انگریزی کے SUN جرمن کے SONNE اور ڈچ کے ZON کا ماخذ ہے۔

یورپ کی زبانوں کے ماہرین کا خیال ہے کہ SUN (سن) یعنی سورج اور اس طرح SONNE اور ZON ان کی اپنی پرانی اور مردہ زبان گاتھ (GOTHIC) کے لفظ SUNNA سے ماخذ ہے۔ گاتھ زبان میں SUNNA کے معنی ہیں چمک، روشن۔ SHINE روشنی دینا۔ اور ہم عرض کر چکے ہیں کہ یہی لفظ عربی میں سَنَا موجود ہے۔ جو لفظاً اور معناً ہر طرح سے گاتھ زبان کے SUNNA کا ماخذ بن سکتا ہے۔

قاعدہ | N (ن) اور L (ل) آپس میں تبدیل ہوتے ہیں اسکی تصدیق انگریزی کے لفظ SUN (سورج) جرمن کے SONNE اور ڈچ کے ZON (سورج) سے یوں ہوتی ہے۔ کہ انگریزوں نے SUN سورج سے SOLAR بنا لیا ہے۔ ان کا اپنا خیال ہے کہ SUN اور SOLAL ایک ہی لفظ کی دو مختلف صورتیں ہیں۔ نیز فرانسیسی کا SOLEIL ہسپانوی اور پرتگالی زبانوں کا لفظ SOL اطالوی زبان کا SOLE روسی زبان کا SOLETSE اور اسپرانتو کا SUNO ان سب کا ماخذ بھی گاتھ (GOTHIC) زبان کا لفظ SUNNA ہے۔ آپ ان لفظوں پر نظر ڈالیں تو جگہ جگہ N (ن) اور L (ل) ایک دوسرے کی جگہ لیتے ہوئے نظر آئیں گے۔ آئرلینڈ کی زبان میں تو سورج کیلئے سیدھا سادا SOL ہے۔ جس میں L (ل) کی جگہ N (ن) آجانے سے انگریزی کا SUN بن جاتا ہے۔

بعید نہیں کہ اردو اور فارسی کا سال بھی اسی انگریزی کے SUN اور آئرش (IRISH) کے SOL اور یورپ کی دوسری زبانوں کے SOL اور SOLE وغیرہ ہی کی ایک صورت ہو جن کا عربی ماخذ سَنَا ہے ——— حاصل کلام یہ کہ سورج اور اس کی نسبت سے سال کے لئے استعمال ہونے والے بہت سے کلمات کا ماخذ اہل یورپ نے گاتھ (GOTHIC) زبان کا لفظ SUNNA تسلیم کیا ہے۔ جس کے معنی چمکنے چمک اور روشنی کے ہیں۔ ہم صرف اس قدر عرض کرتے ہیں کہ یہ چمک اور روشنی عربی کے ماخذ سَنَا سے لی گئی ہے۔

(جاری) ■■

حافظ سعد الرشید ارشد۔ فاضل دارالعلوم حقانیہ
ایم اے اسلامیات۔ عربی آنرز۔ ایم۔ اے عربی

انسانی زندگی میں مادّیت اور روحانیت کا موازنہ

لغوی اعتبار سے لفظ مادہ ، مداد سے لیا گیا ہے۔ جس کے معنی ظلمت ، سیاہی اور تاریکی کے ہیں۔
مادیت کا صحیح مفہوم حواس خمسہ سے خود بخود ذہن میں آجاتا ہے۔

روح انسانی وجود میں ایک نورانی کیفیت کا نام ہے۔ جو کہ پورے وجود میں جاری ، ساری رہتا ہے۔ جس کے بغیر انسانی جسم ایک بے جان اور غیر مفید ڈھانچہ نظر آتا ہے۔

مادّیت اور روحانیت کا امتزاج | حجۃ الاسلام امام غزالیؒ نے انسانی وجود میں مادّیت اور روحانیت کے امتزاج کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے۔

"اے اشرف المخلوقات ! اگر تو اپنی معرفت چاہتا ہے۔ تو پہلے سمجھ لے کہ تجھ کو دو چیزوں سے بنایا گیا ہے۔ اوّل یہ جسم جس کا یہ ڈھانچہ تجھے نظر آتا ہے۔ دوم وہ نفس (روح) جس کا تعلق دل سے ہے۔ اس کو دیکھنے کیلئے حقیقی آنکھ کا ہونا ضروری ہے۔ روح کو ہماری ظاہری آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں۔ اور اسی لئے انسان کی حقیقت اور ماہیت باطن سے متعلق ہے۔ اور دل وجان کے علاوہ جسم کے تمام اعضاء اس کے ماتحت ہیں۔ حقیقت کا نام دل ہے۔ اس سے ہمارا مقصد اس ظاہری دل کے چھوٹے سے لوتھڑے سے مراد نہ ہوگا جو انسان کے سینے کی بائیں جانب ہر وقت دھڑکتا رہتا ہے۔ ہماری نگاہ میں اسکی کوئی وقعت نہیں البتہ یہ ظاہری نرغہ گوشت دل کی سواری لعد ہتھیلسکی طرح ہے۔ جن سے وہ کام لیتا ہے۔ نیز جسم کے تمام اعضاء اس کا لشکر اور وہ ان پر حکومت کرتا ہے" (کیمیائے سعادت مترجم اردو۔ صفحہ ۵۶)

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا ہے: سُبْحٰنَ مَنْ جَمَعَ بَیْنَ الظُّلْمَۃِ وَالنُّوْرِ۔ یعنی کہ انسانی وجود مادے اور روح کی ترکیب کا نام ہے۔

مادیت کے بارے میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَۃٍ مِّنْ طِیْنٍ ۝ (سورۃ المؤمنون پ۱۸ ع۱) یعنی انسان کو چھنی ہوئی مٹی سے بنایا گیا۔ کیونکہ ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام منتخب مٹی سے پیدا کئے گئے۔ اور ویسے بھی تمام بنی آدم نطفہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور نطفہ بھی مٹی سے نکلی ہوئی غذاؤں کا خلاصہ اور نچوڑ ہے۔

مادی لحاظ سے انسانی ڈھانچے کی تکمیل کے بعد ارشاد فرمایا: ثُمَّ اَنْشَاْنٰہُ خَلْقًا اٰخَرَ۔ الآیۃ۔ (سورہ المؤمنون پ۱۸ ع۱) پھر انسان کو ایک نئی صورت میں اٹھا کر کھڑا کیا۔ روحِ حیات پھونک کر ایک جیتا جاگتا انسان بنایا۔

بعد ازاں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کو روحانیت سے آراستہ اور مزین کرنے کیلئے ایک خاص قانون مقرر فرمایا کہ حصول روحانیت کا بہترین ذریعہ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرنا ہے۔ چنانچہ ارشادِ ربانی ہے: وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ۔ الآیۃ (سورۃ الذاریات پ۲۷ ع۳)

آیۂ کریمہ میں اس حقیقت کی وضاحت کردی گئی ہے۔ کہ جن وانس کی حیاتِ دنیاوی کا مقصد اللہ تعالیٰ کی عبادت ہے۔ کیونکہ ان کے پیدا کرنے سے شرعاً بندگی مطلوب ہے۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ان میں فطری طور پر ایسی استعداد رکھی ہے۔ کہ چاہیں تو اپنے اختیار سے بندگی کی راہ پر چل سکیں۔

عبادت اور بندگی کا مفہوم یہ ہے کہ خداوندِ قدوس کیطرف سے جو حکم ملے بسر وچشم اس کو تسلیم کر کے عملی مظاہرہ کرے۔ تاکہ عبادتِ الٰہی کی بدولت انسان روحانی لحاظ سے ترقی کرے۔

سابقہ سطور پر غور وخوض کرنے کے بعد یہ حقیقت واضح ہوگئی۔ کہ انسان روح اور بدن دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ روح اور بدن کی ترقی انسان کا فطری مطلوب ہے۔ یعنی مادی اور روحانی ترقیاں یکساں مقصود ہیں۔ بلکہ بدن سے زیادہ روحانی ترقی ضروری ہے۔ کیونکہ روح، بدن پر حکمران ہے۔ اور بدن کو اپنے استعمال میں لاتا ہے۔ اگر انسانی جسم روحانی لحاظ سے ترقی یافتہ نہ ہو تو ناجائز امور شروع کرلیتا ہے۔ چوری، ڈاکہ زنی، شراب، قمار، سود خوری، کشت وخون اور دیگر خلافِ شریعت امور پہ آمادہ ہوجاتا ہے۔ انسانی معاشرے کیلئے باعث فساد بن کر حیوانیت کا ثبوت دیتا ہے۔ اسی طریقے سے امن وامان راحت وسکون اور اطمینان دنیا سے رخصت ہوجاتا ہے۔ ان تمام امن عامہ میں مخل امور سے بچنے کا واحد ذریعہ یہی فطری تعلیم ہے۔ جو کہ صرف دین اسلام نے پیش کیا ہے۔ جس کا عملی نمونہ

تاجدار انبیاء، آقائے نامدار حضرت محمد مصطفیٰ، احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے پیروکاروں نے پیش کیا ہے۔ آئندہ کے لئے بھی نسل انسانی کے لئے عام دعوت دیا گیا ہے۔ عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ (الحدیث) کہ ع

توکسی انسان سے انسان بننا سیکھ لے

بعض لوگوں نے عبادات اسلامیہ کا مفہوم خلوت گزینی اور گوشہ نشینی لیا ہے۔ لیکن ان کا تصور اسلامی اصول کے منافی ہے۔ کیونکہ اسلام دین و دنیا۔ بدنی اور روحانی ترقی کا جامع ہے۔ جسمانی منافع وفوائد اور مادی ترقی سے گریز کی تعبیر شریعت اسلامیہ نے "رہبانیت" سے کی ہے۔ جس کو خلاف شریعت امور میں شامل کر دیا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: وَرَهْبَانِيَّةَ نِ ابْتَدَعُوْهَا۔ الآیۃ (سورۃ الحدید پ۲۷ ع۴)

حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسکی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے:

"یہ فقیری اور تارک الدنیا بننا نصاریٰ نے رسم نکالی۔ جنگل میں تکیہ بنا کر بیٹھے۔ کمائی وغیرہ سے اپنے آپ کو بچاتے۔ محض عبادت میں لگے رہتے۔ مخلوق خدا سے نہ ملتے۔ اللہ تعالیٰ نے بندوں کو یہ حکم نہیں دیا۔ کہ اس طرح دنیا چھوڑ کر بیٹھ رہیں۔ مگر جب اپنے اوپر ترک دنیا کا نام رکھا۔ پھر اس پردے میں دنیا چاہنا بڑا وبال ہے۔ شریعت حقہ اسلامیہ نے اس فطری اعتدال سے متجاوز رہبانیت کی اجازت نہیں دی"

(تفسیر عثمانی ص۷۲۹)

رہبانیت کے بارے میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے۔ لَا رَهْبَانِيَّةَ فِي الْإِسْلَامِ۔ (الحدیث) یہ دین اسلام کا طرۂ امتیاز ہے۔ اور دین اسلام کی عالمگیری اور جامعیت پر دلالت کرتا ہے۔ کہ مادہ اور روح دونوں کو نہایت متوازن اور مناسب طریقہ سے چلایا جاتا ہے۔ مادے اور روح کے امتزاج اور ترکیب سے صحیح افادیت نظر آتی ہے۔ مادے سے فائدہ حاصل کرنے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے: قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ۔ الآیۃ ——

(سورۃ الاعراف پ۸ ع۱۱)

اللہ تعالیٰ کی زینت کو کس نے حرام کیا۔ جو کہ اس نے اپنے بندوں کے واسطے پیدا کی۔ اور صاف ستھری کھانے پینے کی چیزیں۔ کیونکہ یہ نعمتیں درحقیقت ایمان والوں کیلئے حیات دنیاوی میں پیدا کر دی گئی ہیں۔ تمام موجودات عالم اسی لئے پیدا کی گئی ہیں۔ کہ انسان ان سے مناسب طریقہ سے منتفع ہو کر خالق

جل وعلیٰ شانہٗ کی عبادت وفاداری اور شکر گزاری میں مشغول ہو۔
اسی طرح ارشاد فرمایا: خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا الآیۃ۔ (سورۃ الاعراف پ۸ ع۱)

مقصد یہ کہ کھانے پینے اور لباس و پوشاک میں اقتصاد اور اعتدال کا راستہ اختیار کرلیں۔ گوتم بدھ کی طرح سوکھ کر کانٹا بننے کی کوشش نہ کیا کریں۔ یا جین مت کے بانی مہاویر کی طرح انتہا پسندی کی پیروی ترک کردیں۔ کیونکہ خداوند کریم نے جتنی نعمتوں سے ہمیں نوازا ہے۔ ان کو فضول اور بے کار نہ سمجھیں۔ بلکہ ان نعمتوں سے استفادہ کرکے اللہ تعالیٰ کی عبادت کما حقہٗ ادا کرنے کی کوشش کریں۔

مادیت اور روحانیت میں فرق | مادہ تاریکی، سیاہی اور ظلمت کا نام ہے اور روح روشنی اور نور کے مترادف ہے۔ مادہ مکانی ہے اور روح لامکانی ہے۔ مادہ قابلِ انقسام ہے۔ اور روح جزو لایتجزیٰ ہے۔ مادہ سفلی ہے اور انسان کو سفلیّت اور پستی کی طرف لے جاتی ہے۔ اور روح انسان کو علو اور بلندی کی طرف لے جاتا ہے۔ مادے کیلئے غذا دنیاوی ہے۔ لیکن روحانی غذا ملکوتی ہے۔ انسان کی مادی وجود کو اللہ تعالیٰ فرشتوں کی وساطت سے بنالیتا ہے۔ لیکن روح کسی کی دخل اندازی کے بغیر منجانب اللہ اسی وجود میں آجاتا ہے۔
مادہ محسوس اور ثقیل ہے۔ لیکن روح کی کیفیت لطیف ہے۔ روح کی صحیح حقیقت اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔ جیسا کہ یہودِ مدینہ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا۔ تو مندرجہ ذیل آیت کریمہ ان کے سوال کے جواب میں نازل ہوئی۔
وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ۔ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ۔ الآیۃ (سورۃ بنی اسرائیل پ۱۵ ع)
یعنی کہ اللہ تعالیٰ کو روح کی حقیقت اور ماہیت کا علم ہے۔
ویسے تو دنیا کے بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود "مادہ" کی حقیقت پر مطلع نہ ہوسکے "روح" جو بہرحال "مادہ" سے کہیں زیادہ لطیف و خفی ہے۔ اسکی اصل ماہیت و حقیقت تک پہنچنے کی کیا امید کی جاسکتی ہے۔؟
علامہ شمس الحق افغانی دامت برکاتہم نے مادہ کے بارے میں قدیم و جدید فلاسفر کے نظریات بتلائے ہیں۔ قدیم فلاسفر طالیس کہتا ہے کہ مادہ کائنات پانی ہے ــــ قدیم فلاسفر فیثاغورث نے کہا ہے کہ اعداد ہی اصل مادہ کائنات ہیں ــــ قدیم فلاسفر افلاطون کا قول ہے۔ کہ مثالی اور تصوری حقائق مادہ عالم ہیں ــــ جدید فلاسفروں نے تین نظریئے پیش کئے ہیں۔ پہلا نظریہ یہ کہ مادہ عناصر کا نام ہے

—— دوسرا یہ کہ مادہ ایٹمی اجزاء کا نام ہے۔ تیسرا یہ کہ برقی پاروں کا نام مادہ ہے۔ (الحق ج۲ ع۷ ص۲۶،۲۷)

روحانیت کا مادیت پر تفوق اور برتری: اللہ تعالیٰ نے مادی لحاظ سے ارشاد فرمایا: اِنَّمَآ اَمْوَالُكُمْ وَاَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔ الآیۃ (سورۃ التغابن پ۲۸ ع۲) تمہارے مال اور تمہاری اولاد کے بارے میں تمہارا امتحان لیتا ہے۔ کیونکہ روحانیت حاصل کرنے میں یہ دو بڑی رکاوٹیں ہیں۔ انہی رکاوٹوں سے نجات حاصل کرنے کا طریقہ بھی بتلایا گیا۔ چنانچہ ارشاد باری ہے: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ (سورۃ المنافقون پ۲۸ ع۲)

حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے اسکی تفسیر یوں بیان فرمائی ہے:

"اے ایمان والو! تم کو تمہارے مال اور اولاد (مراد اس سے مجموعہ دنیا ہے) اللہ کی یاد (اور اطاعت) سے (مراد اس سے مجموعہ دین ہے) غافل نہ کرنے پاویں (یعنی دنیا میں ایسے منہمک مت ہو جاؤ کہ دین میں خلل پڑنے لگے۔) اور جو ایسا کرے گا تو ایسے لوگ ناکام رہنے والے ہیں۔ (کیونکہ نفع دنیوی تو ختم ہو جاوے گا۔ اور ضرر اخروی ممتد بادائم رہ جاوے گا۔ (تفسیر بیان القرآن ص۳۰ ج۱۲)

مندرجہ ذیل دو آیتوں میں وضاحت کے ساتھ روحانیت اور مادیت کا موازنہ کیا گیا ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ۗ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ۝

قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ۚ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (سورۃ آل عمران پ۳ ع۱۰)

لوگوں کو مرغوب چیزوں کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔ جیسے عورتیں بیٹے۔ سونے اور چاندی کے لگے ہوئے ڈھیر۔ نشان لگے ہوئے گھوڑے۔ مال مویشی اور زراعت وغیرہ۔ یہ سب دنیوی زندگانی کی استعمال کی چیزیں ہیں۔ اور انجام کار کی خوبی تو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔ آپ فرما دیجئے۔ کیا میں تم کو ایسی چیز بتلا دوں جو ان چیزوں سے متقیوں اور پرہیزگاروں کے لئے بدرجہا بہتر ہے۔ کہ ان کے رب کے پاس ایسے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں۔ ان میں ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہیں گے۔ اور ایسی بیبیاں ہیں جو صاف ستھری کی ہوئی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشنودی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ

بندوں کو خوب دیکھتے ہیں۔ (تفسیر بیان القرآن صفحہ ۶ ج ۲)

شیخ التفسیر علامہ احمد علی لاہوری رح نے فرمایا ہے کہ ان دونوں آیتوں میں دو طبقوں کا ذکر ہے۔ پہلی آیت میں دنیا پرستوں کا ذکر ہے۔ جو کہ مادی دنیا سے وابستہ ہیں۔ اور یہ بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست۔ کا ظاہری مصداق ہیں۔ دوسری آیت میں خدا پرستوں کا ذکر ہے جو کہ روحانیت سے مالا مال ہیں۔

مذکورہ بالا آیات کریمہ میں تفصیلی طور پر بتلایا گیا ہے۔ کہ دنیادی مال ومتاع میں پھنس کر انسان خدا سے غافل نہ ہو جائے۔ دنیا میں کثرت ایسے افراد کی ہے۔ جو عیش وعشرت کے سازوسامان میں پھنس کر اللہ تعالیٰ کو اور اپنے انجام کو بھول جاتے ہیں۔ حالانکہ ابدی فلاح ان چیزوں سے حاصل نہیں ہوتی۔ محض دنیا میں چند روز فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔ اصل چیز روحانیت ہے۔ جو کہ ایک انسان کے لئے کامیاب مستقبل اور اچھا ٹھکانا ہے۔ صرف انسانی شکل وشباہت میں ہونا کوئی کمال نہیں۔ جب تک کہ روحانی طور پر ترقی کر کے ممتاز حیثیت حاصل نہ کرے۔ کیونکہ حقیقی نجات کا دارو مدار روحانیت پر ہے

ایک وقت تھا جب فضیل بن عیاض رح ڈاکہ زنی کرتے تھے۔ ڈاکو بھی اس درجہ کے تھے۔ کہ پہلے سے اعلان کر کے ڈاکہ ڈالا کرتے تھے۔ ایک رات وہ اسی نیت سے مکان کی چھتوں سے گذر رہے تھے۔ کہ کسی روزن سے ان کو کچھ آواز سنائی دی۔ انہوں نے رک کر روزن سے کان لگا دئے کوئی شخص اپنے گھر میں قرآن پاک کی تلاوت کر رہا تھا۔ فضیل بن عیاض رح کے لمحۂ سماعت کے وقت یہ آیت پڑھی گئی۔ اَلَمْ يَاْنِ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ تَخْشَعَ قُلُوْبُهُمْ لِذِكْرِ اللّٰهِ ــــ الآیۃ (سورۃ الحدید پ ۲۷ ع ۲) ۔ کیا مومنوں کے لئے اس کا وقت نہیں آیا کہ ان کے دل اللہ تعالیٰ کی یاد کے لئے جھک جائیں۔؟

ان کلمات مبارکہ نے کیا عجیب تاثیر دکھائی۔ تیر کی طرح فضیل بن عیاض رح کے دل میں اتر گئے ــــ ایک دم نعرہ مارا، ہائے میرے اللہ!...... اور پھر اسی لمحے چوری سے توبہ کر لی۔ بلکہ اپنی ایسی اخلاقی اصلاح کی۔ اور روحانی منازل طے کئے کہ آج ان کا شمار ذی مرتبہ صلحائے امت میں ہوتا ہے۔

حضرت جعفر طیار رض نے حبشہ میں نجاشی بادشاہ کے سامنے وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا۔ کہ مادی دنیا کے ساتھ رہتے ہوئے ان کا کیا کردار تھا۔ اور نور نبوت سے روحانی استفادہ کرنے کے بعد ان کے کردار میں کونسی نمایاں تبدیلیاں آئیں۔ ان کی تقریر کا خلاصہ یہ ہے:

"اے بادشاہ! ہم جاہل تھے، بت پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے۔ بدکاری کرتے تھے۔ پڑوسیوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ زور آور، کمزوروں کو کھا جاتا تھا۔ اتنے میں ہم میں ایک

شخص پیدا ہوا جس کی بزرگی سچائی اور ایمانداری سے ہم واقف تھے۔ اس نے ہم کو سچے دین کی دعوت دی۔ اور بتایا کہ ہم بتوں کا پوجا چھوڑ دیں، سچ بولیں، ظلم سے باز آجائیں۔ یتیموں کا مال نہ کھائیں، پڑوسیوں کو آرام دیں، پاکدامن عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں، نماز پڑھیں، روزے رکھیں، خیرات دیں۔

ہم نے اس شخص کو خدا کا پیغمبر مانا اور اسکی باتوں پر عمل کیا۔ اس جرم پر ہماری قوم ہماری جان کی دشمن ہو گئی۔ اور ہم کو مجبور کرتی ہے۔ کہ ہم اسکو چھوڑ کر اسی پہلی گمراہی میں رہیں۔

(رحمتِ عالم صلعم صفحہ ۳۶ مصنفہ سید سلیمان ندوی ؒ)

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

کَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً ۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ۔ الآیۃ بارہا تھوڑی جماعت بڑی جماعت پر اللہ تعالیٰ کے حکم سے غالب ہوتی ہے۔

یعنی مادی لحاظ سے ظاہری شکل و شباہت میں مسلمان اور کافر ایک جیسے نظر آتے ہیں۔ لیکن نورِ ایمانی اور روحانی استفادہ کی بدولت مسلمانوں کی قلیل جماعت کو کفار کے جمِ غفیر پر غلبہ اور فوقیت حاصل ہوتی ہے۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ لفظ انسان علی سبیل الاطلاق ہر مسلمان، کافر، منافق، مشرک وغیرہ کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ لیکن شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاح میں انسان کا اطلاق ہر اس شخص پر ہو سکتا ہے۔ جو اللہ تعالیٰ کے احکام کو دل سے تسلیم کر کے عملی مظاہرہ کرے۔ بقیہ افراد سے انسانیت منتفی کر دی اور فرمایا:

اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ۔ الآیۃ۔

یہ لوگ انسانیت تو درکنار! حیوانات سے بھی زیادہ بے راہ ہیں۔ کیونکہ حصول روحانیت کی خاطر جتنی قوتیں اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی تھیں۔ انہوں نے ساری قوتیں محض دنیوی لذائذ اور مادی خواہشات کی تحصیل و تکمیل کے لئے وقف کر دیں۔ حالانکہ حدیث شریف میں ارشاد ہے:

اَلدُّنْيَا مَزْرَعَةُ الْآخِرَةِ (الحدیث) دنیا دار العمل ہے۔ محنت و مشقت اور تکالیف کی جگہ ہے۔

اس دنیا میں آکر انسان نے آخرت کیلئے بہترین اعمال کا ذخیرہ جمع کرنا ہے۔ کیونکہ انسان کی پیدائش اسی لئے کی گئی ہے۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ارشاد ہے۔ اِنَّمَا الدُّنْيَا خُلِقَتْ لَكُمْ وَاَنْتُمْ خُلِقْتُمْ لِلْآخِرَةِ۔ (الحدیث)

ہر انسان کا فرض ہے کہ وہ شریعتِ اسلامیہ کے حدود و قیود کے مطابق زندگی گزارے اور

روحانیت کے حاصل کرنے کیلئے کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرے۔ کیونکہ روحانیت ہی کی بدولت مہذب معاشرہ قائم رہ سکتا ہے۔ آجکل روحانیت نہیں ہے۔ اس وجہ سے مالی حالت بہتر ہونے کے باوجود خودکشی ہوتی ہے۔ قتل وغارت ہوتی ہے۔ چوری، ڈکیتی کا بازار گرم رہتا ہے۔ زنا، حرام کاری ہوتی ہے۔ راحت اور آرام نہیں ہے۔ دلوں کو تسکین نہیں ہے۔

اسلام نے عقائد، اخلاق، عبادات کا وہ بہترین نظام انسان کو دیدیا جسکی وجہ سے انسانی روح اور انسانی حیات، خالق ارواح اور خالق حیات سے مکمل طور پر مربوط ہوتی ہے۔

حضرت امام غزالیؒ فرماتے ہیں، کہ خواہشات پر غالب آنا فرشتوں کی صفت ہے۔ اور خواہش سے مغلوب ہونا حیوانیت ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا۔ کہ قناعت سے مراد حرص دنیا کی کمی ہے۔

حضرت معروف کرخیؒ نے فرمایا کہ دولت کے بھوکے کو کبھی راحت نصیب نہیں ہوتی۔

حضرت حسن بصریؒ نے فرمایا کہ خالی پیٹ شیطان کا قید خانہ ہے۔ اور بھرا پیٹ شیطان کا اکھاڑہ ہے۔ حاصل یہ کہ حقیقی مسلمان درویشی میں بھی امراء سے زیادہ خوشحال رہتا ہے۔

احادیث طیبہ کا بغور مطالعہ کیا جائے۔ تو اس سے بھی یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ چنانچہ ایک حدیث شریف کا مضمون یہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ فقیر اور غریب وہ شخص ہے۔ جس کا نامہ اعمال نیکیوں سے خالی ہوا۔ کیونکہ تعلق مع اللہ قناعت پیدا کرتا ہے۔ جو کہ حقیقی غنا ہے۔ اور تعلق بالکمال سے حرص پیدا ہوتی ہے۔ جو کہ غربت اور محتاجی ہے۔

سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے۔ اَلْكَيِّسُ مَنْ دَانَ نَفْسَهٗ وَعَمِلَ لِمَا بَعْدَ الْمَوْتِ۔ یعنی انسان کی سعادت مندی اور خوش قسمتی یہ ہے۔ کہ وہ اپنے نفس کے ساتھ اعمال کا محاسبہ کرے اور مرنے سے پہلے موت کے لئے تیاری کرے۔

علامہ شفیق بلخیؒ نے موجودہ معاشرے میں روحانیت کے فقدان اور مادیت کے ساتھ مربوط ہونے کی مندرجہ ذیل الفاظ میں تشریح فرمائی ہے۔

لوگ چار باتوں میں اللہ تعالیٰ کی موافقت کرتے ہیں۔ اور عمل میں خلاف۔

۱۔ کہتے ہیں۔ کہ ہم اللہ تعالیٰ کے بندے ہیں۔ اور عمل آزاد دل جیسے کرتے ہیں۔ ۲۔ کہتے ہیں۔ کہ اللہ تعالیٰ ہمارے رزق کا کفیل ہے۔ مگر دل ان کے مطمئن نہیں مگر دنیا کی چیز سے۔ ۳۔ کہتے ہیں کہ آخرت دنیا سے بہتر ہے۔ لیکن دنیا کے لئے مال جمع کرتے ہیں۔ اور آخرت کے لئے گناہوں کو۔ ۴۔ کہتے ہیں کہ ہم بالضرور مرنے والے ہیں۔ لیکن عمل ایسے کرتے ہیں۔ کہ گویا کبھی مرنا ہی نہیں۔

قسط ۵

تبرکات ونوادر
مشاہیر علماء کے خطوط

مکاتیب طیبؒ

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیبؒ قاسمی مدظلہ مہتمم دارالعلوم دیوبند

بنام حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالحق مہتمم دارالعلوم حقانیہ

(۳۹) حضرت المحترم المخدوم زیدت معالیکم

سلام مسنون، نیاز مقرون ۔ کرمت نامہ باعث شرف سرفرازی ہوا۔ آپ حضرات سے زیادہ میں زیارت احباب کیلئے بے چین ہوں۔ ویزہ ملنے کی کوئی توقع نہ تھی۔ قضاء و قدر سے مل گیا۔ تو صرف دس دن کا ملا۔ لاہور میں دس بیس دن اور اضافہ ہو گئے جس سے کراچی کے عزیزوں میں آسکا۔ اب توسیع مزید کی سعی کر رہے ہیں۔ اگر یہ توسیع ہو گئی تو مولانا عبید اللہؒ صاحب اور احقر خود پروگرام بنا رہے ہیں۔ کہ اکوڑہ اور بالاکوٹ چلیں گے۔ اللہ تعالیٰ کامیاب فرمادیں۔ کراچی سے بظاہر ۱۲ر جولائی کو روانگی ہوگی۔ اور وہاں سے جناب کے یہاں کا پروگرام بنے گا۔ بشرطیکہ ویزہ مل گیا۔ اور ساتھ ہی پاسپورٹ کی مدت میں بھی اضافہ ہوگیا۔ کیونکہ پاسپورٹ ہی ۵ر اگست ۱۹۶۸ء کو ختم ہو رہا ہے۔ اسی کی دو کوششوں میں لوگ لگے ہوئے ہیں۔ اور آئندہ کے یہ سارے پروگرام اسی توسیع پر موقوف ہیں۔

آپ کی علالت سے فکر ہے۔ حق تعالیٰ آپ جیسے مفاتیح خیر حضرات کو تادیر زندہ سلامت رکھے۔ اور آپکو صحت کاملہ عطا فرمائے۔ آمین۔

تقریروں پر کچھ احقر نے اور کچھ احوال نے پابندیاں عائد کی ہوئی ہیں چنانچہ اب تک لاہور کراچی

۱؎ مولانا عبید اللہ مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور ابن حضرت مولانا مفتی محمد حسن امرتسری قدس سرہٗ ۔

میں نہ کسی جلسہ میں شرکت کی نہ تقریر کی بظاہر یہی صورت حال وہاں کی حاضری کی صورت میں بھی رہے گی۔ میں اب کچھ کمزور بھی ہوگیا ہوں۔ اس لئے اس سے بچنا کچھ عمر کا بھی تقاضا ہے۔ اور اب تو ہر جھگڑے سے بچنے اور علیحدہ رہنے ہی کو دل بھی چاہتا ہے۔

درین زمانہ رفیقے کہ خالی از خلل است   صراحی مئے ناب و سفینہ غزل است

دوسرے مقصود اصلی زیارت احباب و بزرگان ہی ہوگا۔ سو اس میں تقریروں سے وہ مفاد بھی حاصل نہیں ہوگا۔ کاش! اس موقعہ پر حضرت مولانا عزیر گل صاحب[1] کی زیارت بھی میسر آجاتے۔ ان سے ایک قلبی تعلق ہے۔ اس لئے دل میں قدرتی تقاضا پیدا ہوتا ہے۔ اگر احقر کی حاضری مقدور ہو۔ تو خط یا تار سے اطلاع دوں گا۔ اس موقعہ پر اگر مولانا بھی تشریف لے آویں۔ تو سبحان اللہ ورنہ کوشش کریں گے۔ کہ وہاں کا ویزہ مل جائے۔ سب اکابر جامعہ اور شہر کے دوستوں اور بزرگوں کو سلام مسنون حافظ انوار الحق[2] سلمہٗ سے لاہور میں ملاقات ہوگئی تھی۔ مل کر خوشی ہوئی۔ حق تعالیٰ انہیں سعادت دارین سے نوازے۔ اور ماں باپ کے دل کی ٹھنڈک ثابت ہوں۔ والسلام۔ (موصولہ یکم اگست ۱۹۶۸ء)

---

(۴۰) حضرت المخدوم المعظم مخدومی حضرت مولانا عبدالحق صاحب دام مجدہٗ زیدت مکارمکم شیخ الحدیث جامعہ حقانیہ زادہا اللہ افادۃً۔

سلام مسنون نیاز مقرون۔ کل جامعہ حقانیہ کا رسالہ[3] ملا۔ پڑھا۔ اس ناچیز اور ناکارہ کے بارے میں مضمون متعلقہ میں جو رفیع الفاظ تحریر فرمائے گئے ہیں وہ حوصلہ افزائی کی اعلیٰ ترین مثال ہے۔ ورنہ یہ ناکارہ کس قابل ہے۔ بزرگوں کا محض حسن ظن ہے۔ حق تعالیٰ اس ظن کے مطابق اس نالائق کو بنا دے۔ البتہ دارالعلوم کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا گیا ہے۔ وہ ایک حقیقت واقعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ صاحب مضمون کو درجات عالیہ دارین میں عطا فرمائے۔ انشاء و ادب بھی ماشاء اللہ زبان اور سلاست بیان

---

[1] اسیر مالٹا تلمیذ حضرت شیخ الہند مرحوم۔ اللہ تعالیٰ ان کا سایۂ خیر و برکت قائم رکھے۔ مقیم میانگان سکلی سخاکوٹ مالاکنڈ ایجنسی

[2] راقم کے تیسرے بھائی حافظ مولوی انوار الحق فاضل حقانیہ و ایم اے اسلامیات۔ مدرس دارالعلوم حقانیہ۔

[3] ماہنامہ الحق کے نقش آغاز شمارہ ستمبر ۶۸ء میں احقر راقم نے حضرت صاحب کے مکاتیب کے پاکستان آمد اور اس سلسلہ میں تقریر وغیرہ کی بعض بے جا پابندیوں پر ایک شذرہ لکھا جو حضرت کی نظر سے گذرا۔ اسکی تحسین فرمائی۔ راقم کے بارہ میں کلمات محبت محض ذرہ نوازی اور اصاغر کی حوصلہ افزائی کا ایک نمونہ ہے۔

کے بارے میں بھی قابلِ قدر اور لائقِ صد تحسین ہے۔ یہ مضمون لوگوں کو اتنا پسند آیا کہ رسالہ مجھ سے چھین کر لے گئے۔ اور میں اس دستاویزِ نجات سے خالی رہ گیا۔ اس لئے درخواست ہے کہ اگر اس رسالہ کی دو تین کاپیاں مزید ارسال فرما دی جائیں تو میں لطف و کرم ہوگا۔ اور لوگ بھی اس کے خواہشمند نظر آتے ہیں۔ انہیں بھی دکھلا اور دے سکوں گا۔ جناب محترم کا تقریری[1] مضمون بھی سب پڑھا جو پشاور میں درسِ قرآن کا افتتاح فرماتے ہوئے القاء فرمایا گیا ہے۔ سبحان اللہ علم کا ذخیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بایں افادہ و تعلیم تا دیر زندہ و سلامت رکھے۔ اور اپنے دین کی خدمات اس سے زیادہ سے۔ آمین۔

امید ہے کہ مزاجِ گرامی بعافیت ہوگا۔ میری حاضری اکوڑہ انشاء اللہ ضرور ہی ہے۔ یہاں اعزّہ کے کچھ معاملات درپیش ہیں جن کی تکمیل کے لئے سب عزیزوں نے مجھے روک رکھا ہے۔ ورنہ دلی شوق اور داعیہ یہ ہے کہ جلد سے جلد حاضرِ خدمت ہوں، دعا کی درخواست ہے۔ مولوی سمیع الحق صاحب کو سلام مسنون دعا مقرون۔ والسلام۔

حضرت المحترم زیدت معالیکم

(۴۱) سلام مسنون، نیاز مقرون گرامی نامہ عرصہ دراز کا آیا ہوا۔ سامنے ہے۔ اور یاد یہ پڑ رہا ہے۔ کہ جواب عرض کر چکا ہوں۔ ممکن ہے غلط یاد ہو۔ اس لئے احتیاطاً پھر جواب لکھنا ہی ضروری سمجھا۔ آنمحترم کی خیریت و عافیتِ مزاج کا خط سے اندازہ ہو کر بے غایت مسرت ہوئی۔

حق تعالیٰ جناب کو بایں افادیت قائم و دائم رکھے۔ آمین۔ جامعہ حقانیہ کے جلسہ کی شرکت میں سعادت ہے۔ مگر اختیاری نہیں ہے۔ اور اب تو اس سے بھی کچھ مایوسی سی ہو رہی ہے۔ کہ دیکھئے زندگی میں زیارت میسر ہوتی ہے۔ یا نہیں۔ اس لئے جلسہ کا توقف غیر اختیاری حالات پر نہ رکھا جاوے۔ اور یوں حق تعالیٰ حاضری سہل فرما دے۔ اور اسے سب قدرت ہے۔ وہ مالک القلوب اور مالک الرقاب ہے تو اس میں کسی جلسہ کی قید نہیں میری حاضری خود ہی جلسہ بن جائے گی۔ بہرحال دعاؤں کا خواستگار ہوں اور خود دعا کرتا ہوں۔

صاحبزادوں کو دعا۔ حاضرین وقت کی خدمت میں سلام مسنون ریل میں خط لکھ رہا ہوں۔ الہ آباد کانپور کا سفر ہے۔ مستدعی دعا ہوں۔ والسلام۔

---

[1] یہ تقریر دعوات عبدیت حق کے سلسلہ کی ایک تقریر تھی جو قرآن ایک آفاقی کتاب کے عنوان سے اسی پرچہ میں شائع ہوئی تھی۔

(٤٢) حضرت المحترم المعظم دامت معالیکم۔
سلام مسنون نیاز مقرون۔ کرمت نامہ نے سرفراز فرمایا۔ آپ حضرات سے ملنے کو اتنا ہی دل تڑپتا ہے: جیسا کہ پیاسے کا دل پانی کیلئے تڑپ سکتا ہے۔ حاضری میں دیر ہی کسی تساہل کی بنا پر نیز مع مجبوری کی بنا پر ہے۔ ایسے پابند لوگوں پر کسی جلسہ کا توقف سوائے اس کے کہ آپ حضرات کی محبت و خلوص کا مرقع ہے۔ اور کیا عرض کیا جا سکتا ہے۔ میرے بس میں ہو تو میں اڑ کر حاضر ہو جاؤں۔
اس کے سوا جو تاریخیں تجویز فرمائی گئی ہیں وہی تاریخیں بمبئی میں میرے نواسہ کی شادی میں ہم سب اہل خانہ جانے والے ہیں۔ اس لئے رجب کا پہلا عشرہ اس میں لگے گا۔ لیکن اس کے باوجود اگر ویزہ بس کا ہوتا تو میں خود تاخیر کے لئے عرض کرتا۔ اس لئے جلسہ میں احقر کی دعا ہی شرکت کر سکتی ہے۔ اگر خدا تعالیٰ نے کسی موقعہ پہ حاضری سہل فرما دی تو میں حاضر ہو کر مستقل جلسہ کر لوں گا۔ صاحبزادہ سلمہٗ کو دعا۔ سب حضرات اساتذہ کی خدمات میں سلام مسنون۔ اللہ تعالیٰ جلسہ کو کامیاب فرمائے۔ جلسہ میں اگر پرسان حال حضرات آئیں تو میرا سلام پکار دیا جائے۔ عزیزان سالم و اسلم سلام عرض کرتے ہیں۔ ٢٢/٥/٨٧ھ

---

(٤٣) حضرت المحترم زید مجدکم
سلام مسنون نیاز مقرون گرامی نامہ باعث انتظار ہوا۔ پاسپورٹ تو مل گیا ہے۔ ویزہ سے انکار کر دیا گیا ہے۔ اس لئے حاضری سے پھر معذوری ہو گئی ہے۔ دعا کی درخواست ہے۔ امید ہے کہ مزاج گرامی بعافیت ہوگا۔ والسلام۔ ٢٩/٢/٨٨

---

(٤٤) حضرت المحترم زیدت معالیکم
سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ نے سرفراز فرمایا۔ الحمد للہ بعافیت ہوں دعا گو اور دعا جو ہوں۔ جولائی کے پہلے ہفتے میں حاضری کا قصد ہے۔ اگر ویزہ مل جائے، روانگی کی اطلاع دوں گا۔ دعا کی ہمہ وقت درخواست ہے۔ اب کچھ کمزور بھی ہو گیا ہوں حسن خاتمہ کی دعا دل سے فرما دیں۔ یہاں الحمد للہ سب بعافیت ہیں۔ اہل جامعہ کی خدمات میں سلام مسنون عرض ہے۔ ٣/٥/٨٨ھ

---

(٤٥) حضرت المحترم زیدت معالیکم
سلام مسنون۔ نیاز مقرون۔ مزاج گرامی۔ جناب گرامی سے رخصت ہو کر بعافیت تمام دیوبند

پہنچا۔ باڈھ پر دس گیارہ حضرات مع مولوی سالم و مولوی اسلم سلمہٗ موجود تھے۔ پھر سہارن پور اسٹیشن پر ایک بڑا مجمع حضرات علمائے کرام کا موجود تھا۔ سہارن پور کار آگئی تھی۔ اس سے دیوبند پہنچا۔ الحمد للہ سب کو خیریت ہے۔ آپ کی محبتیں اور خلوص دل پر نقش ہیں۔ ہر وقت دعاگو ہوں۔ اور دعا جو ہوں۔ سالم و اسلم و اعظم سلمہٗ سلام عرض کرتے ہیں۔ اور دعاء کی درخواست کرتے ہیں۔ یہاں بحمد اللہ بہمہ وجوہ خیریت ہے۔ پرسوں سورت راندیر کے سفر پر روانہ ہو رہا ہوں۔ امید ہے کہ جناب بعافیت ہوں گے۔ والسلام۔ ۲ ش ۸۸ھ

حضرت المحترم المخدوم زیدت معالیکم۔

(۴۶) سلام مسنون نیاز مقرون۔ گرامی نامہ بجواب عریضہ احقر صادر ہوکر موجب سعادت و برکت ہوا۔ لیکن اس والا نامہ میں خبر وحشت اثر انتقال پُر ملال صاحبزادی[1] صاحبہ سے بے حد قلق و صدمہ ہوا۔ اور اس میں اضافہ خورد سال بچی[2] کا بے ماں کے رہ جانے سے ہوا۔ حق تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت فرمائے۔ اور اعلیٰ علیین میں مقام بلند نصیب فرمائے۔ اور اسکی نشانی اس بچی کو زندہ سلامت رکھے۔ اور خوش نصیب بنائے ـــــ اولاد اور ابھی بھی بچی کا اور اس ـــــ حالت میں گذر جانا حقیقتاً ناقابل برداشت صدمہ ہے۔ لیکن حق تعالیٰ نے جو علم و فضل اور اخلاق بلند جناب کو عطا فرمائے ہیں۔ وہی اس موقع پر جناب کیلئے اور سب پسماندوں کے لئے وجہ تسلی ہو سکتے ہیں۔ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی انا للہ وانا الیہ راجعون۔ میری طرف سے سارے اہل خانہ بالخصوص عزیزم سمیع الحق صاحب سلمہ کو مضمون تعزیت پیش فرمائے دیا جاوے۔ حق تعالیٰ آپ سب حضرات کے قلوب کو صابر و شاکر بناکر اپنے دین اور علم کا کام زیادہ سے زیادہ لے اور آپ سب حضرات کو توفیق میسر فرمائے آمین

یہ ناکارہ بحمد اللہ بعافیت ہے۔ پاکستان سے واپس ہوکر دو ہی دن کے بعد بمبئی بڑودہ سورت وغیرہ کا سفر پیش آگیا۔ ابھی دو چار دن ہوئے وہاں سے واپس ہوا ہوں۔ اہل بمبئی کا اصرار ہے کہ رمضان شریف وہاں گذاروں۔ قصد کر لیا ہے۔ حق تعالیٰ پورا فرمائے۔ اور کام کی توفیق بخشے ــــ مستدعی دعا ہوں۔ بچی مرحومہ کے ایصال ثواب کیلئے دار العلوم میں ختم کرایا جا رہا ہے[4] حق تعالیٰ اسے قبول فرمائے۔ ۲۰ ش ۸۸ھ

۱؎ حضرت کے تینوں صاحبزادگان گرامی مرتبت۔ ۲؎ ہمشیرہ مرحومہ کی وفات مورخہ ۲۲-۲۳ اکتوبر ۶۸ء کی درمیانی شب پر یہ تعزیتی والا نامہ لکھا گیا۔ ۳؎ عزیزہ ثمینہ جو پیدائش کے فوراً بعد والدہ کے سایہ سے محروم رہ گئی۔

۴؎ مرحومہ کی اس سے بڑھ کر خوش نصیبی کیا ہوگی کہ بر صغیر کے اہم علمی و دینی اداروں اور مراکز میں دعائیں کی گئیں۔

سمیع الحق

تعارف و تبصرۂ کتب

نقوشِ اقبال | مولانا سید ابوالحسن علی ندوی، ناشر مجلس نشریات اسلام ۱۔ کے ۳۔ ناظم آباد نمبرا کراچی نمبر ۱۸ صفحات ۲۹۴ قیمت بارہ روپے۔

فاضل مصنف نے عالم عرب کو ڈاکٹر اقبال سے متعارف کرانے کیلئے "روائع اقبال" کے نام سے کتاب لکھی جو ان ہی کی نگرانی میں مولوی شمس تبریز خان ندوی نے اسے نقوشِ اقبال کے نام سے اردو سانچہ میں ڈھالا۔ پیشِ نظر دوسرے ایڈیشن پر خود مصنف نے نظر ثانی کی اور ایک دو مقالات کا بھی اضافہ کیا۔

اقبال پر لکھنے کا سب سے زیادہ حق مصنف ہی کو تھا، کہ وہ اقبال کے مردِ مومن کی صحیح تصویر ہیں۔ ایک اسلام کے مفکرِ جلیل ہیں تو دوسرے اس کے داعیٔ کبیر، مغربی تہذیب پر دونوں کی نگاہ نہایت گہری، دونوں کا دل اسلام کی عظمت سے معمور اور سینہ اسلام کے درد سے موجزن۔ اس لئے ملت کے غمگسار اقبال کی تشریح و ترجمانی کا حق بھی خلیفہ عبدالحکیم جیسے قلب و نظر سے عاری افراد کو نہیں عالمِ اسلام کے اس داعیٔ کبیر کو پہنچتا تھا جسے دنیا ابوالحسن علی کے نام سے جانتی ہے۔ لوگوں نے اقبال کے مقامِ دعوت و روحانیت کو بہت کم ہی متعارف کرایا تھا۔ اب اس کتاب کے ذریعہ فاضل مصنف نے حق تو یہ ہے کہ حق ادا کر دیا۔ ہم پاکستان میں اتنے اعلیٰ پیرایہ میں اس کتاب کی اشاعت پر مجلس نشریات اسلام کو مبارکباد دیتے ہیں۔

تحفۂ سعدیہ | مؤلف مولانا محبوب الٰہی و مولانا نذیر احمد عرشی مرحوم ناشر ادارۂ سعدیہ مجددیہ لاہور۔ صفحات ۴۴۴۔ قیمت پندرہ روپے۔

موسیٰ زئی اور خانقاہ سراجیہ کندیاں کو تصوف اور سلاسل سے وابستہ افراد کے دلوں میں یہاں کے جامع شریعت و طریقت مشائخ کی وجہ سے ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ یہ خانقاہیں اس دورِ مادیت میں بھی بیشمار انسانوں کے تزکیۂ نفس اور تسکین قلب و روح کے شفاخانے ہیں۔ پیشِ نظر کتاب میں ان ہر دو مراکز کے اکابر مشائخ مولانا دوست محمد قندھاری سے لیکر مولانا خان محمد مدظلہٗ تک

کے احوال و معارف جمع کئے گئے ہیں۔ ان اکابر کے مقامات عالیہ ارشادات، علوم و معارف، اشغال و احوال کے علاوہ مہمات تصوف پر بھی کافی مواد جمع کیا گیا ہے۔ سلسلہ سے وابستہ افراد کے لئے تو کتاب ہے ہی نعمت عظمیٰ مگر عام طالبین رشد و ہدایت کے لئے بھی کتاب نہایت مفید ہے۔

عبارات اکابر حصہ اوّل | مولانا ابوالزاہد محمد سرفراز خان صاحب۔ ناشر ادارہ نشر و اشاعت نصرۃ العلوم گوجرانوالہ۔ قیمت ۵/۵۰ روپے۔

مولانا احمد رضا بریلوی نے اپنے دور میں خاص محرکات اور اسباب کی بنا پر علماء دیوبند کے خلاف اتہامات اور بے بنیاد الزامات کا ایک طوفان اٹھایا اور ان اکابر کی بعض عبارات کو سیاق و سباق سے کانٹ چھانٹ کر انہیں خود ساختہ معانی پہنائے اور پھر اس پر انبیاء کی توہین ختم نبوت سے انکار وغیرہ جیسے سنگدلانہ الزامات کی عمارت اٹھائی اور پوری بے دردی سے اکابر دیوبند اور اساطین اسلام کی تکفیر کی۔ علماء حق نے ہر دور میں اس مکر و فریب کی قلعی کھولی اور تسلی بخش جوابات دئے۔ اب مولانا محمد سرفراز خان صاحب نے جنہیں اللہ نے ایسے مسائل میں اکابر دیوبند کے دفاع اور مسلکیت دیوبندیت کی ترجمانی کی خاص توفیق سے نوازا ہے۔ اس کتاب کے ذریعہ اکابر کے ایسے بعض اصولی اور بنیادی عبارات کو پیش کر کے الزامات کے مفصل جوابات دئے۔ اس طرح کہ اصل حقیقت عالم آشکارا ہو گئی اور تمام الزامات اور بہتان تراشیوں کی قلعی کھول کر رکھدی اہل علم کے لئے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔

آداب الدعا | مولانا محمد اجمل خان لاہور۔ ناشر مکتبہ اشاعت اسلام قلعہ گوجر سنگھ لاہور صفحات ۱۴۴۔ قیمت درج نہیں۔

مصنف کے قلم سے آداب القرآن وغیرہ گرانقدر کتابیں شائع ہو چکی ہیں اس کتاب میں دعا کی افادیت ضرورت آداب اور حدود اجابت دعا کے اسباب غرض دعا کے ہر پہلو پر عالمانہ گفتگو کی گئی ہے۔ پریشانی اضطراب اور مادیت کے اس ہیجانی دور میں خدا کی طرف رجوع و انابت اور اس سے طلب و دعا ہی ایک ذریعہ سکون ہے اور یہ کتاب اس نسخہ سکون و اطمینان سے روشناس کراتا ہے۔

مجلہ صحیفہ لاہور | مجلس ترقی ادب لاہور کا وقیع علمی و ادبی مجلہ پیش نظر شمارہ اقبال نمبر کا حصہ اوّل ہے۔ ۴۱۶ صفحات کے اس ضخیم مجلہ میں اقبال کے احوال و سوانح افکار و آثار پر مشاہیر علم و ادب کے نہایت معلوماتی مقالات پیش کئے گئے ہیں۔

پاکستان کی اقتصادی ترقی میں
قدم بہ قدم شریک

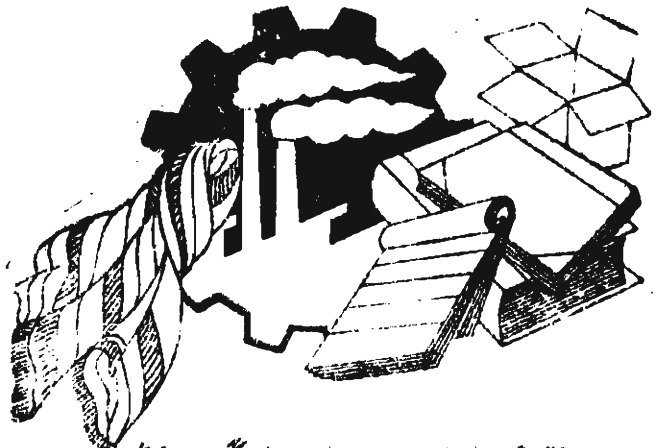

آدمجی کے کاغذ۔ بورڈ اور بلیچنگ پاوڈر

adamjee
آدمجی انڈسٹریز لمیٹڈ

(پیپر۔ بورڈ اور کیمیکل ڈویژن) پوسٹ بکس نمبر ۴۲۳۲۔ کراچی

NATIONAL 66-K

آدم جی کے نفیس پارچہ جات اپنی خوبیوں
کی بدولت ساری دنیا میں پسند کئے جاتے ہیں۔

عمدہ قسم کی روئی سے تیار کردہ آدم جی کے پارچہ جات اپنی معیاری خصوصیات
کی وجہ سے ساری دنیا میں مقبول ہیں۔
آرام دہ، دیرپا، اور خوشنما کپڑوں کے لئے آدم جی کا نام ہی کافی ہے۔

adamjee - اعلیٰ معیار کی ضمانت

آدم جی کاٹن ملز (آدم انڈسٹریز لمیٹڈ کا ایک شعبہ)
آدم جی هاؤس میکلوڈ روڈ کراچی پاکستان۔

ACM.2,193.88.UD LINTAS 88

REDG—L. No. 7681

خیبر بونڈ

لکھنے اور ٹائپ کرنے کے لئے بہترین کاغذ

آدمجی کا خیبر بونڈ کاغذ ہر غیر ملکی ووو اور بونڈ پیپر کا بہترین بدل ہے

اس دعوے کے ثبوت میں ہم آپکو اس پر لکھنے اور ٹائپ کرنے کی دعوت دیتے ہیں ذاتی تجربے کے بعد آپ کو کسی دلیل کی ضرورت نہیں ہوگی آپ یقیناً اس کی اعلیٰ کوالٹی کا اعتراف کریں گے اور مطمئن ہوں گے

اچھی سٹیشنری چھاپنے کے لئے آپ کا پرنٹر بھی خیبر بونڈ کا انتخاب کرتا ہے

آپ بھی ہمیشہ خیبر بونڈ ہی استعمال کیجئے

آدمجی انڈسٹریز لیمٹڈ

پیپر بورڈ اینڈ کیمیکل ڈویژن پوسٹ بکس نمبر ۴۳۳۲ کراچی

NATIONAL 405

HUSEIN

PAKISTAN'S LEADING
MANUFACTURERS AND EXPORTERS

QUALITY COTTON
FABRICS & YARN
HUSEIN TEXTILE MILLS

COTTON SEWING THREADS
& TERRY TOWEL
JAMAL TEXTILE MILLS

For enquiries for Sheetings, Cambrics, Drills, Duck, Poplins, Tussores Gaberdine, Corduroy, Bed-Sheets, Terry Towels,
Cotton Sewing threads and varbs, please write to :

HUSEIN INDUSTRIES LIMITED

Habib Square, Insurance House, No. 2, 3rd Floor,
M. A. Jinnah Road Karachi-2 (Pakistan)